موضع سموں (ٹیکسلا) کے علمی خاندان کی خدمات

بہ سعی واہتمام

صلاح الدین فاروقی ٹیکسلا

(خادم سلسلہ قادریہ راشدیہ)

شائع کردہ

مکتبہ نعمانیہ مدرسہ عبیدیہ زاہدیہ

جامع مسجد نفیس بالمقابل مغل مارکیٹ ٹیکسلا

ویب سائٹ: https://maktabahnomania.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ جل شانہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے زمین کے اس خطے میں پیدا کیا جہاں اس کے ایک مقبول بندے نے ہماری دینی اور اخلاقی تربیت کا انتظام پہلے سے کیا ہوا تھا کہ نئی نسل کے بچے اپنی عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ ضروری دینی و مذہبی تعلیم بھی حاصل کریں اور ان کی اخلاقی تربیت بھی ہوتا کہ وہ اپنی عملی زندگی ایسے گزاریں جو دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کا سبب ہے۔ یہ نسل نہ صرف ذاتی کامیابی حاصل کرے بلکہ معاشرے کیلئے بھی مفید کردار ادا کرے اور ملک و قوم کے مخلصانہ خدمت کر کے ایک مثبت اور مفید انقلاب لائے۔

جو لوگ آج سے ستر اسی سال پہلے کے ٹیکسلا شہر اور علاقہ کے حالات سے آگاہ ہیں وہ آج کے حالات سے تقابل کر کے اس انقلاب و آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد درویش، ولی کامل اور مجاہد اسلام اور ان کے خاندان کی مساعی کو کس طرح سے شرف قبولیت سے نوازا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اصحاب قلم اور ماہر سوانح نگار اس عظیم محسن حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نور اللہ مرقدہ، اور بھائیوں کی زندگی اور خدمات پر ضیغم کتب تحریر کرتے تا کہ انکے احسانات کا کچھ حق ادا ہو سکے اور آنیوالی نسلوں کیلئے مشعل راہ بن سکے۔ اگرچہ میرے بچپن کے ساتھی اور ہم جماعت حافظ محمد رفیق صاحبؒ نے تقریباً بیس سال قبل یہ فریضہ انجام دینے کیلئے کافی مواد جمع کیا لیکن مشیت ایزدی نے تکمیل کا موقع نہیں دیا اور وہ دو سال قبل داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اس نالائق و ناکارہ نے باوجود اس قابل نہ ہونے کے یہ ارادہ کیا کچھ نہ ہونے سے ناقص ہی سہی چند کلمات رقم کر لئے جائیں تا کہ موجودہ نوجوان نسل جو بالکل ماضی سے آگاہ نہیں اپنے محسنین کی خدمات سے بہرہ ور ہو سکے۔

اس وجہ سے ظاہر ہے کہ آنیوالے صفحات کے مندرجات بہت سی غلطیوں اور کوتاہیوں پر مشتمل ہونگے اس لئے پیشگی گزارش ہے کہ ان کمزوریوں کو میرے کھاتے میں شمار کیا جائے اور دانستہ و نادانستہ فروگذاشتوں کیلئے مجھے معاف کر دیا جائے اور اصلاح کیلئے حقائق سے مطلع کر دیا جائے تا کہ درستگی کی جا سکے۔

جناب حافظ محمد رفیق صاحب کے رشحات قلم کو جہاں ضروری سمجھا گیا اپنی طرف سے اضافی کلمات شامل کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد عبدالصبور صاحب دامت برکاتہم کا تعزیتی مضمون جو انہوں نے حضرت کے وصال کے وقت 1410 ہجری بمطابق 1989ء میں تحریر فرمایا تھا وہ آخری صفحات میں شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرماتے ہوئے خصوصی رہنمائی فرمائیں اور اس کاوش کو قبول فرماتے ہوئے قارئین کیلئے دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائیں۔

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ جل شانہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے زمین کے اس خطے میں پیدا کیا جہاں اس کے ایک مقبول بندے نے ہماری دینی اور اخلاقی تربیت کا انتظام پہلے سے کیا ہوا تھا کہ نئی نسل کے بچے اپنی عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ ضروری دینی و مذہبی تعلیم بھی حاصل کریں اور ان کی اخلاقی تربیت بھی ہوتا کہ وہ اپنی عملی زندگی ایسے گزاریں جو دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کا سبب ہے۔ یہ نسل نہ صرف ذاتی کامیابی حاصل کرے بلکہ معاشرے کیلئے بھی مفید کردار ادا کرے اور ملک و قوم کی مخلصانہ خدمت کر کے ایک مثبت اور مفید انقلاب لائے۔

جو لوگ آج سے ستر اسی سال پہلے کے ٹیکسلا شہر اور علاقہ کے حالات سے آگاہ ہیں وہ آج کے حالات سے تقابل کر کے اس انقلاب و آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد درویش، ولی کامل اور مجاہد اسلام اور ان کے خاندان کی مساعی کو کس طرح سے شرف قبولیت سے نوازا۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ اصحاب قلم اور ماہر سوانح نگار اس عظیم محسن حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نور اللہ مرقدہ، اور بھائیوں کی زندگی اور خدمات پر ضخیم کتب تحریر کرتے تا کہ انکے احسانات کا کچھ حق ادا ہو سکے اور آنیوالی نسلوں کیلئے مشعل راہ بن سکے۔ اگرچہ میرے بچپن کے ساتھی اور ہم جماعت حافظ محمد رفیق صاحبؒ نے تقریباً بیس سال قبل یہ فریضہ انجام دینے کیلئے کافی مواد جمع کیا لیکن مشیت ایزدی نے تکمیل کا موقع نہیں دیا اور وہ دو سال قبل داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اس نالائق و ناکارہ نے باوجود اس قابل نہ ہونے کہ یہ ارادہ کیا، کچھ نہ ہونے سے ناقص ہی سہی چند کلمات رقم کر لئے جائیں تا کہ موجودہ نوجوان نسل جو بالکل ماضی سے آگاہ نہیں اپنے محسنین کی خدمات سے بہرہ ور ہو سکے۔

اس وجہ سے ظاہر ہے کہ آنیوالے صفحات کے مندرجات بہت سی غلطیوں اور کوتاہیوں پر مشتمل ہونگے اس لئے پیشگی گزارش ہے کہ ان کمزوریوں کو میرے کھاتے میں شمار کیا جائے اور دانستہ و نادانستہ فروگذاشتوں کیلئے مجھے معاف کر دیا جائے اور اصلاح کیلئے حقائق سے مطلع کر دیا جائے تا کہ درستگی کی جا سکے۔ جناب حافظ محمد رفیق صاحب کے رشحات قلم کو جہاں ضروری سمجھا گیا اپنی طرف سے اضافی کلمات شامل کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد عبد المعبود صاحب دامت برکاتہم کا تعزیتی مضمون جو انہوں نے حضرت کے وصال کے وقت 1410 ہجری بمطابق 1989ء میں تحریر فرمایا تھا وہ آخری صفحات میں شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرماتے ہوئے خصوصی رہنمائی فرمائیں اور اس کاوش کو قبول فرماتے ہوئے قارئین کیلئے دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائیں۔

صلاح الدین فاروقی (خادم سلسلہ قادریہ راشدیہ)

ٹیکسلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصحیح وتوثیق

ازیادگاراسلاف،صاحب تصانیف کثیرہ حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب دام ظلہم

(مسترشد امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نوراللہ مرقدہ)

حضرت اقدس حضرت مولانا محمد داؤد نوراللہ مرقدہ کی سیرت وسوانح، مرتبہ برادرم صلاح الدین صاحب حرفاً حرفاً پڑھی۔مولف موصوف کی شاندار صلاحیتوں پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔موصوف نے سوانح کا حق ادا کر دیا ہے۔صاحب سوانح کی مقدس زندگی کے ہر پہلو پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ان کی مذہبی، سیاسی، سماجی، ملکی وملی قابل رشک خدمات کو خوب اجاگر کیا ہے۔

ملک میں بپا ہونے والی جملہ تحاریک میں ان کی مجاہدانہ وقائدانہ شمولیت، حکمت وطب کے ذریعہ بنی نوع انسان کی بےلوث خدمات، قوم کے نونہالوں کے تعلیم وتربیت کی سنہری خدمات کو بڑی عمدگی سے آشکارا کیا ہے۔مضامین، ترتیب، تدوین، انشاء پردازی، سہل اور عام فہم نگارشات سے ایک وقیع تاریخی دستاویز تیار کردی ہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت مولانا محمد داؤد بَرَّدَ اللہ مضجعہ اوران کے برادران محترم کے علمی اور طبی فیوضات کو دوام عطا فرمائے اوران اولاد واحفاد کو سلامت با کرامت رکھے اوراپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے خاندان کے علمی وطبی ورثہ اور تعلیم وتربیت کے عظیم مشن کو پروان چڑھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو تا ابد قائم ودائم فرمائے۔

محترم جناب صلاح الدین صاحب کی کاوش لائق تحسین وتبریک ہے، جنہوں نے بڑی عقیدت سے حضرت مولانا محمد داؤدؒ کے احوال وحالات اور نقوش زندگی پر خامہ فرسائی فرمائی۔انہوں نے بھی حضرت کی شاگردی کا حق ادا کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے اوراس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اوراسے مفید عام بنائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ

غوری ٹاؤن فیز 5-A اسلام آباد

29 جمادی الاول 1440 ہجری/5 فروری 2019 عیسوی

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

تفصیلی حالات

وطن اصلی،

آپ کا اصلی وطن (آبائی) موضع چھم کوٹ تحصیل کرنا ضلع مظفر آباد ہے جو اس وقت مقبوضہ کشمیر کا حصہ ہے اور دریائے نیلم کی دوسری طرف واقع ہے

خاندان،

آپ نسلاً راجپوت شیخ تھے۔ کرناہ کے راجہ رشن سنگھ ایک بڑے رئیس تھے اور تحصیل کرناہ کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے۔ طب وحکمت سے بھی ان کا تعلق تھا۔ راجہ صاحب موصوف کی اولاد میں سے ایک بیٹے کے کان میں پیدائشی چھید تھا اور ان کے کان میں مرکیاں پڑی ہوئی تھیں۔ خاندان کی مشہور روایات کے مطابق ہر ساتویں پشت میں ایک آدھ کے کان میں پیدائشی سوراخ موجود تھے اور آپ کی اولاد بھی ساتویں پشت ہی شمار ہوتی ہے۔

راجہ صاحب مذکور کے چھید والے فرزند کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے اس کے کان سے مرکیاں اتروادیں اور ان کے استعمال سے منع فرمایا۔ چنانچہ وہ صبح جاگے تو کان میں مرکیاں موجود نہ تھیں۔ اس خواب سے متاثر ہو کر انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور محمد یوسف نام رکھا۔

موضوعِ کتاب حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کو اپنے شیخ طریقت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے یہ تکوینی مناسبت بھی حاصل ہوئی اس لیے کہ ان کے والد مرحوم بھی سکھ مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے۔

حکیم محمد یوسف مرحوم کی چوتھی پشت میں حکیم عبدالرحمٰن مرحوم تھے جو گڑھی افغاناں تحصیل ٹیکسلا کے مشہور بزرگ پیر فاضل شاہؒ کے مرید تھے جن کا حلقہ ارادت دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ خواجہ محمد سلمان تونسویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کی وفات غالباً 1875ء میں ہوئی۔ پیر صاحب موصوف کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ چنانچہ حکیم صاحب نے اپنے مرشد کے حکم پر اپنے فرزند حکیم فضل الٰہی مرحوم کو خانقاہ کے لیے وقف کر دیا۔ جنھیں پیر صاحبؒ نے اپنا متبنیٰ بنالیا اور شفقت ومحبت سے ان کی تربیت کی اور ملحقہ گاؤں "سموں" میں رہائش کا انتظام فرمادیا۔

آپ کے والد حکیم عبدالرحمٰن مرحوم پیر صاحب کے حکم پر طب وحکمت کی باقاعدہ تعلیم کے بہاولپور بھی تشریف لے گے اور پیر فاضل شاہ صاحب کے پیر بھائی مشہور حکیم شمس الدین بہاولپوری سے طب کی تعلیم حاصل کی

والد محترم اور بھائی۔

حکیم فضل الٰہی مرحوم کی ایک اھلیہ سے حکیم محبوب عالم مرحوم اور دوسری بیوی سے مولانا حکیم محمد جان مرحوم اور مولانا محمد داؤد مرحوم پیدا ہوئے

پیدائش؛ حضرت مولانا محمد داؤد غالباً 1907ء میں اپنے والد محترم کی وفات سے تقریباً 40 دن پہلے موضع سموں میں پیدا ہوئے۔

والدہ کا ایثار اور دینی جذبہ

آپ کے بڑے سگے بھائی مولانا محمد جان مرحوم آپ سے 6 سال بڑے تھے۔ اس طرح وہ بھی بچپن سے ہی یتیمی کی حالت میں مبتلا ہو گئے لیکن والدہ محترمہ نے بہت محنت ,مشقت اور ایثار سے دونوں کی پرورش کی اور لوگوں کے یہ مشورہ دینے کے باوجود کہ انھیں مزدوری پر لگا دیں تا کہ معاشی حالات درست ہوں اس لیئے کہ ان دنوں قریب ہی ریلوے لائن بچھ رہی تھی اور نوجوان وہاں مزدوری کرتے تھے اپنے بیٹوں کو دین کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا.

ابتدائی تعلیم ؛

دینی تعلیم کے لیے تو گھر کا ماحول ہی ابتدائی درسگاہ تھی عصری تعلیم کے لیے دونوں بھائیوں کو قریبی گاؤں عثمان کھٹڑ میں داخل کرایا گیا تا کہ پرائمری تک دنیاوی علوم سے آگاہی ہو

جائے اور پھر دینی نصاب کے لیے دور نزدیک کسی مناسب مدرسہ میں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ پرائمری امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کو ایک قریبی رشتہ دار مولانا عبدالرؤوف صاحبؒ ہری پور کے قریب واقع گاؤں سیریاں لے گئے جہاں وہ ایک معروف علمی مرکز میں موصوف تدریس کرتے تھے آپ کم سنی کی وجہ سے پڑھنے پڑھانے میں کم دلچسپی رکھتے تھے۔ طبیعت میں شوخی اور بے فکری تھی البتہ جسمانی ورزش خوب تھی اور کشتی کے فن میں طاق تھے۔ مدرسہ میں ایک طالب علم سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تو آپ نے اُس کو زیر کر لیا اور کشتی میں بچھاڑ دیا۔ وہ طالب علم سمجھدار تھا اس نے طعنہ دیا کہ لڑائی میں بچھاڑنا کوئی کمال نہیں ہے اگر تم میں ہمت ہے تو پڑھائی میں میرا مقابلہ کر کے دکھاؤ۔ اُس کی اِس بات سے آپ بہت متاثر ہوئے اور پڑھنے میں خوب دلچسپی لینی شروع کر دی۔ لیکن اس مدرسہ سے طبیعت اُچاٹ ہو گئی اور ضلع گجرات کے موضع "انہی" کے ایک بہت بڑے دینی مرکز میں جانے کا فیصلہ کیا جہاں آپ کے بڑے بھائی حکیم محبوب عالم صاحب تعلیم حاصل کر چکے تھے اور ان سے وہاں کی بہت خوبیاں سن چکے تھے

انّہی ضلع گجرات میں داخلہ:۔

مزید تعلیم کے لیے آپ ملک کے مشہور تعلیمی مرکز انہی ضلع گجرات تشریف لے گئے تو وہاں کے اساتذہ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ آپ مولانا محبوب عالمؒ کے بھائی معلوم ہوتے ہیں حالانکہ انہوں نے آپ کو نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ تعارف تھا۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا اور اس طرح آسانی سے آپ کو داخلہ مل گیا۔ کچھ عرصہ وہاں حصول تعلیم کے بعد عالم اسلام کی شہرہ آفاق درس گاہ "دارالعلوم دیوبند" جانے کا شوق پیدا ہوا، جہاں دونوں بڑے بھائی زیر تعلیم تھے۔

دارالعلوم دیوبند روانگی و قیام:۔

چنانچہ آپ آبائی وطن سے بہت دور دینی علوم کی منفرد مثالی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے عازم سفر ہوئے اور پہلے سے موجود برادران اور انہی کے تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے آسانی سے داخلہ مل گیا اور موقوف علیہ تک وہاں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ نے اُس وقت کے عظیم جبال علم اور ولایت کے درجہ کمال پر فائز اساتذہ سے فیض علم و سلوک کی تحصیل کی آپ کے اساتذہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الحدیث مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہ جیسے رِجال عظیم شامل تھے۔ حضرت مولانا عبدالحنان ہزارویؒ آپ کے ہم سبق تھے اور وہیں اپنے علاقہ کے مشہور علمی خاندان کے فرزند اور آنے والے دور کے مفسر قرآن اور ولی کامل حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہ سے تعلقات کی ابتدا ہوئی جو بعد میں پیر بھائی بن جانے پر روز افزوں رہی اور تاحیات قرب و موانست برقرار رہی۔ مجاہد ملت غلام غوث ہزاروی صاحبؒ سے بھی وہیں تعارف ہوا جو بعد میں روز افزوں رہا اور گہری دوستی اور تعلق میں تبدیل ہو گیا۔

مدرسہ امینیہ دہلی سے دورۂ حدیث؛

چونکہ آپ کے بڑے بھائی مولانا محبوب عالم صاحبؒ دیوبند سے دہلی چلے گئے تھے اور وہیں ایک مسجد میں امامت بھی فرماتے تھے اور طبیہ کالج میں طب و حکمت کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے اِس لیے آپ بھی موقوف علیہ کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ امینیہ میں دورۂ حدیث کیلئے داخلہ لے لیا۔ دہلی میں آپ کا قیام بڑے بھائی کے پاس ہی تھا۔ ایک سال بعد سگے بھائی مولانا محمد جان صاحب صاحبؒ بھی وہیں تشریف لے آئے۔ دورۂ حدیث کے بعد آپ نے اپنے آبائی پیشہ طب و حکمت کی تعلیم کیلئے کالج دہلی میں داخلہ لے لیا اور باقاعدہ سند حاصل کی۔

لاہور کا قیام؛

دیوبند اور دہلی سے تعلم و فنون حاصل کر کے آپ لاہور تشریف لائے اورینٹل کالج میں منشی فاضل اور مولوی فاضل کی کلاسوں میں داخلہ لیا اور امتیازی نمبروں سے امتحان پاس کر کے وظیفہ بھی حاصل کیا۔ دورانِ قیام آپ نے اپنا روحانی تعلق "تصوف و سلوک" کے بادشاہ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحبؒ سے قائم کر لیا اور نہایت عقیدت، اطاعت اور ادب سے اپنی روحانی تربیت کرائی اور پھر فنا فی الشیخ ہو گئے۔ اسطرح جانبین میں انتہائی اپنائیت اور قرب پیدا ہو گیا۔ قیام لاہور کے دوران آپ نے مولانا شمس الحق افغانیؒ سے بھی دورۂ تفسیر پڑھا۔ اِس دوران آپ ایک مسجد میں بطور امام بھی خدمات انجام دیتے رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور خوش اخلاقی کی وجہ سے علاقہ کے لوگوں میں ہر دلعزیز ہو گئے اور مقبولیت و اثر و رسوخ میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔ چونکہ اس وقت کسی معاملہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں سخت کشیدگی پائی جاتی تھی اور انگریز حکمران اس موقع پر ہندوؤں کی طرفداری سے باز نہ آتے تھے، بااثر مسلمان علماء و سرکردہ افراد کو جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے نامعلوم مقامات پر منتقل کر دیتے تھے۔ اس صورتحال میں احباب نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ سی، آئی، ڈی کے محکمہ کی نظروں میں کھٹکتے ہیں کہیں ناکردہ گناہ کی سزا میں آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لیے آپ کنارہ کش ہو جائیں چنانچہ آپ اپنے احباب کو پریشانی سے بچانے کیلئے وطن واپس تشریف لے آئے۔

وطن واپسی:۔

لاہور سے آپ واپس اپنے گاؤں سموں تشریف لائے اور کچھ عرصہ طب وحکمت میں مصروف رہے۔مولانا محمد جانؒ بھی اس وقت گاؤں میں ہی تھے جب کہ بڑے بھائی مولانا محبوب عالم صاحبؒ ٹیکسلا شہر میں مقیم ہوکر طب وحکمت کا کام بھی کرتے اور دینی اصلاح وتربیت کا بھی۔اِس دوران آپ کی شادی بھی ہوگئی اور گھریلو ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوگیا۔چونکہ معاشی حالات کچھ بہتر نہ تھے اور کچھ قرض بھی واجب ہوگیا تھا اِس لیے دونوں سگے بھائیوں نے بہاولپور جانے کا فیصلہ کیا جہاں آپ کے ایک رشتہ کے بہنوئی رہتے تھے۔چنانچہ آپ اور مولانا محمد جان صاحب غالبًا 1931ء میں بہاولپور تشریف لے گئے آپ اپنے ساتھ اھلیہ کو بھی لے گئے۔

قیام بہاولپور اور خدمات؛

بہاولپور کے قیام کے دوران آپؒ مدرسہ عالیہ ملیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور ساتھ ہی وہاں جاری تحریک ختم نبوتﷺ میں بھی حصہ لیتے رہے اور مشہور مقدمہ بہاولپور میں جس کے لئے امام المحد ثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحبؒ خود تشریف لائے تھے بڑا فعال کردار ادا کیا۔اس مقدمہ کا فیصلہ 1935 میں ہوا۔اسی طرح وہاں ایک سماجی تنظیم "حزب اللہ" کے نام سے بنا کر خدمت خلق میں مصروف رہے بالخصوص کوئٹہ کے زلزلے کے دنوں میں متاثرین کی نمایاں خدمات انجام دیں۔مولانا محمد جان صاحبؒ تو قرضہ کی رقم پوری ہوجانے پر وطن واپس تشریف لے آئے لیکن آپ مذکورہ خدمات کی بجا آوری کیلئے غالبًا 1935ء تک وہیں قیام پزیر رہے۔اسی عرصہ میں آپ کے بڑے قریبی تعلقات مولانا خیر محمد مکی صاحبؒ سے قائم ہوئے جو کہ مکہ مکرمہ میں مقیم مشہور عالم دین ومبلغ مولانا محمد مکی صاحبؒ کے والد گرامی ہیں

بہاولپور سے واپسی:۔

تقریبًا چار سال قیام بہاولپور کے بعد آپ واپس گاؤں تشریف لائے اور ٹیکسلا میں بڑے بھائی مولانا حکیم محبوب عالم صاحبؒ کے ہمراہ حکمت کی ادویات تیار کرنے میں معاون بنے۔بڑے بھائی آپ کے مربّی بھی تھے اور معلّم بھی۔چونکہ قیام بہاولپور اور لاہور میں آپ کو دین مخالف نظریات اور باطل قوتوں کی سازشوں سے واسطہ پڑ چکا تھا۔اپنی بچپن کی مبارزانہ طبیعت بالخصوص کُشتی کے فن کے شوق بلکہ قیام لاہور کے دوران بھولو پہلوان کے ہاں اکھاڑے میں جاتے رہنے اور سیکھنے کے ذوق نے ٹیکسلا شہر کے جاگیردارنہ ماحول اور ایک باثر باطل فرقے کے تسلّط کو بہت سنجیدہ لیا اور برادرِ اکبر کی اِس ضمن میں کرنے والی کوششوں کو بنظر تحسین دیکھا اور اُن سے فکری وعملی تعاون بھی کیا۔چونکہ اُس وقت کے ظاہری حالات موافق نہ تھے اور بوجہ جذباتی کیفیت صبر بھی نہیں ہوسکتا تھا،اپنے روحانی مربّی حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی زندگی بھر کی جدوجہد بھی مشعل راہ تھی کہ کس طرح وہ باطل قوتوں سے ہمہ تن برسرپیکار تھے،وہ بھی عملی جدوجہد پر آمادہ کررہی تھی اس لیے آپ حالات کا جبر برداشت نہ کرسکے اور کچھ وقت کے لیے مہاجرت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا کہ اِس بےبسی سے "غریب الدیار" ہوجانا بہتر ہے۔ویسے بھی نرینہ اولاد نہیں تھی گھریلو مجبوریاں زیادہ نہ تھیں چنانچہ آپ نے وطن چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اہل خاندان کو مطلع کئے بغیر کہ مبادا وہ رکاوٹ بنیں عزم سفر کرلیا اور نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔

کشمیر روانگی،قیام اور واپسی:۔

گھر سے روانہ ہوکر کچھ عرصہ ملتان اور لاہور میں گزار کر آپ اپنے ایک شاگرد محمد حسن کے ہمراہ کشمیر روانہ ہوگئے اور مختلف مقامات کی سیر وسیاحت کرتے ہوئے ایک پہاڑی مقام "بدھل" میں قیام پزیر ہوئے اور ایک مسجد میں امامت بھی فرماتے رہے۔یہاں ایک اعلیٰ درجہ کے کیمیا گر سید عبدالبصیر شاہ صاحبؒ سے ملاقات ہوگئی۔چونکہ آپ کا آبائی پیشہ طب وحکمت ہی تھا اور جڑی بوٹیوں سے دلچسپی تھی،آپ نے موصوف سے تعلقات پیدا کرلئے اور اس فن کی معلومات بھی لینی شروع کیں۔؛چونکہ اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا عطا فرمایا تھا جلد ہی آپ کافی حد تک اِس فن سے واقف ہوگئے اور تاحیات اِس فن کی مدد سے مفید اور زود اثر ادویات تیار کرتے رہے۔چونکہ آپ بغیر اطلاع گھر سے سفر پر روانہ ہوگئے تھے۔اِس لیے کچھ دن انتظار کے بعد سب سے بڑے بھائی اور مربّی مولانا محبوب عالم صاحبؒ کے حکم پر مولانا حکیم محمد جان صاحب جو آپ سے بہت محبت کرتے تھے آپ کی تلاش میں روانہ ہوگئے اور بہت مشقت وصعوبت برداشت کرتے ہوئے آپ کے مذکورہ شاگرد محمد حسن کی مدد و رہنمائی سے آپ کے پاس پہنچ گئے اور آپ کو وطن واپسی پر آمادہ کرکے واپس لے آئے

ٹیکسلا میں مستقل قیام؛

آپ نے اپنے صاحبزادوں کو خود بتایا کہ ایک دن میں سفر سے واپس گھر جاتے ہوئے ٹیکسلا سے گزرا تو مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ریلوے پھاٹک کے قریب مسجد کا پتہ کیا تاکہ نماز پڑھ لوں۔قریبی مسجد میں گیا تو اتفاقًا اُس دن امام صاحب موجود نہ تھے۔نمازیوں نے مجھ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔جب نماز سے فارغ ہوئے تو محلّہ کے سرکردہ

حضرات نے مجھے روک لیا اور مجھ سے معلومات حاصل کیں۔ جب میں نے تعارف کرایا تو چونکہ دونوں بڑے بھائیوں سے یہ حضرات واقف تھے بلکہ تعلقات رکھتے تھے انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں اور امامت کے فرائض انجام دیں میں چونکہ پابندی کا عادی نہیں تھا اور امام حضرات سے لوگوں کے عمومی رویّہ سے واقف تھا اسلئے میں نے معذرت کر دی لیکن اُنہوں نے کہا کہ ہم آپ کے بھائیوں سے زبردستی منوا کر آپ کو لے آئیں گے کیونکہ یہاں دو متحارب گروہ کسی اور امام کو ٹھہرنے نہیں دیتے اور آپ کے خاندان کے دونوں گروہ عقیدت مند ہیں لہذا آپ پر سب کا اتفاق ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ حضرات جرگہ کی صورت میں سمّوں بڑے بھائی کے پاس آئے اور میری شرائط مانتے ہوئے بھائی کے ذریعے مجھے آمادہ کر لیا اور اِس مسجد معروف بہ ترکھاناں والی مسجد (حال مسجد امیر معاویہؓ) گھیلا خورد میں لے آئے یہ غالباً 1938ء کا سال تھا یہاں میں نے امام حضرات کے لیے محلّہ والوں کی روایتی خدمت کے طریقے کو پسند نہیں کیا اور ماہانہ غالباً پندرہ روپے تنخواہ مقرر کرائی تاکہ لوگوں کا دستِ نگر نہ رہوں اور آزادی سے دین کی خدمت کر سکوں اور اپنے اکابر کے مشن کے تمام پہلوؤں کو حتی الامکان پورا کر سکوں

قیام ٹیکسلا کی مصروفیات:۔

مسجد میں امامت کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ آپ نے بعد نماز فجر درس قرآن اور بعد نماز عشاء درس حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا جو الحمدللہ تا صحت جاری رہا۔ اس کے علاوہ اپنے شیخ طریقت کے سلسلہ کی مجالس ذکر اور حکمت وموعظت سے بدعات کی بیخ کنی؛ باطل نظریات کا مقابلہ فروغ تعلیم اور بالا دست طبقے کے ظالمانہ نظام سے مظلوم عوام کی آزادی کا کام زندگی بھر احسن طریقے سے جاری رکھا جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر آ رہی ہے

شادی اور مطب:۔

کچھ عرصہ بعد ٹیکسلا آنے پر 1938ء میں آپ نے سب سے بڑے بھائی حکیم محبوب عالم صاحبؒ کی سالی سے شادی کر لی اور گزر اوقات کیلئے اپنا مطب ٹیکسلا میں ہی بنا لیا جو (طیب دواخانہ) کے نام سے تا حال آپ کے صاحبزادوں کی سرپرستی میں چل رہا ہے

تبلیغ دین اور خطابت جمعہ:۔

شہر کے لوگوں کی اصلاح کیلئے آپ کچھ عرصہ تک مرکزی جامع مسجد میں جمعہ کی تقریر فرمایا کرتے تھے جب کہ نماز اس مسجد کے امام علاء الدین صاحبؒ پڑھاتے تھے۔ اُس کے بعد موجودہ مسجد اہلحدیث واقع ریلوے روڈ میں بھی جمعہ پڑھاتے رہے ہیں اس لیے کہ اُس وقت اختلاف نہ ہونے کے برابر تھے اور باہمی احترام ومحبت کے جذبات موجود تھے۔ بعد میں قریب ہی واقع مسجد مین بازار میں جمعہ شروع فرمایا اور تا صحت خود ہی تمام فرائض انجام دیتے رہے۔ اِسی دوران مرکزی عیدگاہ پر جو اُس وقت شہر سے باہر پہاڑی پر بنائی گئی تھی، وہاں عیدین کی نماز بھی پڑھاتے اور بارشوں کیلئے نماز استسقاء کا اہتمام بھی وہاں ہی فرماتے۔ الحمدللہ اب تک آپ کے صاحبزادے حافظ احسان العظیم صاحب ہی عیدین کی نمازیں پڑھاتے ہیں اور انتظام وانصرام میں بھی شریک رہتے ہیں

شہر کی مستورات وبچیوں کی تعلیم وتربیت؛

آپ نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا اور اپنے گھر میں ہی مستورات اور بچیوں کیلئے دینی وضروری عصری تعلیم کا انتظام فرمایا۔ ناظرہ قرآن مجید. ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ سکول کی ابتدائی کلاسوں کا نصاب بھی پڑھایا جاتا۔ ترجمہ آپ خود پڑھاتے اور ضروری مسائل کی تعلیم دیتے۔ جب کہ ناظرہ قرآن پڑھانے کیلئے اہلیہ اور صاحبزادیوں سے بھی مدد لیتے۔ یہ سلسلہ تا حیات جاری وساری رہا۔

دیگر مصروفیات:۔

اس مصروفیت کے علاوہ آپ مختلف مساجد میں درس قرآن ومواعظ بھی ارشاد فرماتے اور مجالس ذکر کا انعقاد بھی کرتے۔ اصلاح عقائد نیز باطل نظریات کی ردّ کیلئے ملک کے نامور علماء کرام کو مواعظ کیلئے دعوت بھی دیتے۔ روافض کے عقائد کے بطلان کیلئے خصوصی طور پر کام کرنے والی تنظیم اہل سنت پاکستان کی ایک شاخ ٹیکسلا میں قائم کرائی، جس کے زیر انتظام عوامی جلسے منعقد ہوتے اور اُن میں تمام مرکزی قائدین ومبلغین کو خطاب کی دعوت دی جاتی تنظیم کے صدر مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ، علامہ دوست محمد قریشی، مولانا عبد الستار تونسویؒ، مولانا قائم الدین عباسیؒ، مولانا ضیاء القاسمیؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا اللہ یار جکڑالویؒ، ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحبؒ جیسے عظیم خطباء ومناظر نے اِن اجتماعات میں شرکت کی اور نوجوان نسل کی ذہن سازی کی، اس سلسلہ میں قریبی رفقاء کے علاوہ استاد محمد دین صاحبؒ، عبد القیوم زرگر صاحب. عبد المجید زرگر صاحب، مستری محمد جان صاحب، قاضی رفیق صاحب، حاجی محمد تاج صاحب، استاد عزیز الرحمٰن صاحب وغیرہ نے بھرپور تعاون کیا۔

مذہبی باطل طبقوں سے مقابلہ اور مستقبل کی منصوبہ بندی؛

بہاولپور سے واپسی پر آپ کی ٹیکسلا میں بڑے بھائی مولانا محبوب عالمؒ کے ہاں مصروفیات کے ضمن میں ٹیکسلا شہر کے مخدوش حالات کا ذکر کیا گیا۔ اُس وقت شیعہ سنّی تنازعہ عروج پر تھا۔ آپؒ جب ٹیکسلا قیام پزیر ہوئے تو وہی کشیدگی بدستور موجود تھی۔ 1940ء میں شیعہ سنّی ٹکراؤ بہت شدّت اختیار کر گیا۔ متنازعہ مسجد عنایت شاہی سر بمہر کر دی گئی اور فریقین کو نماز کی ادائیگی سے روک دیا گیا۔ اس موقع پر اہل سنت کی طرف سے سول نافرمانی کا اعلان کر دیا گیا۔ مقامی لوگوں کے علاوہ علاقہ بھر کے سنّی اور بالخصوص گڑھی افغاناں کے حضرات نے بھرپور قربانی دی اور اس سلسلہ میں مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ کثیر تعداد میں لوگوں نے گرفتاریاں دیں اور اپنے ان قائدین کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہر قسم کی قربانی پیش کی۔ اِس واقعہ نے مستقبل کیلئے ایک واضح راہ متعین کر دی اور حضرتؒ نے ایک عظیم منصوبہ بنا لیا جس کے نتائج چالیس سال بعد اُن طبقات کے مکمل زوال کی شکل میں سامنے آئے اور ایسا انقلاب برپا ہو گیا کہ اُن کے زیردست لوگ ان کے مقابلہ میں سیاسی اور سماجی طور پر سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ یہ تھی اُس مردِ قلندر کی بصیرت، خلوص، منصوبہ بندی اور قربانی اور اُس کا مثبت نتیجہ۔

فروغ تعلیم اور نسل نو کی تربیت:۔

ٹیکسلا تشریف آوری کے بعد آپ نے معاشرتی حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ عام لوگوں کی مصروفیات کو دیکھا تو غالب اکثریت علم سے بے پراہ اور جہالت میں مبتلا تھی ۔لوگ اپنے بچوں کو سکول میں صرف مصروف رکھنے کیلئے بھیجتے تھے حصول علم کیلئے نہیں۔ اکثریت کا ذریعہ معاش پتھر نکالنا، ڈھونا، مزدوری کرنا، کفش دوزی، بطور مزارع کھیتی باڑی کرنا تھا۔ صرف چند خاندان تجارت پیشہ اور ٹرانسپورٹ کے شعبہ سے وابستہ تھے۔ جہالت کی وجہ سے جوا، شراب، بدمعاشی عام تھی اور اس کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جاگیرداروں ،وڈیروں ،سرمایہ داروں اور بدمعاشوں نے اپنا تسلط قائم کیا ہوا تھا۔ پسے ہوئے طبقات غلاموں کی زندگی گزار رہے تھے، اور دینی تعلیم کا تو کوئی انتظام موجود ہی نہ تھا۔ انفرادی طور پر گھروں میں ناظرہ قرآن مجید پڑھانے کا رواج تھا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر آپؒ نے ہمہ جہت انقلاب لانے کیلئے ایک منصوبہ پر غور شروع فرمایا اور 1948ء میں قرآنی تعلیم کیلئے مرکزی جامع مسجد میں مدرسہ قائم کیا اور پھر تین سال بعد ساتھ ہی طلباء کیلئے عصری تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا اس پروگرام کے ساتھ طالبات کیلئے اپنے گھر میں انتظام فرمایا اور دینی تعلیم کے ساتھ پرائمری تک عصری تعلیم کا بھی اہتمام کیا

روحانی تربیت کا نظام اور سلسلہ سلوک کا فروغ؛

آپ نے اپنا سلسلہ بیعت امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہور نور اللہ مرقدہ سے قائم فرمایا تھا اور انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے درس قرآن اور دینی وعصری تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت کیلئے اپنے متوسلین کو اپنے شیخ کے حلقہ ارادت میں شامل کرایا اور ہفتہ وار مجالس
ذکر کا سلسلہ شروع فرمایا۔ سکول سے فارغ ہونے والے طلباء کو بھی سلسلہ سلوک میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ سینکڑوں نوجوان اس سلسلہ سے منسلک ہوئے اور سلسلہ قادریہ راشدیہ کی ہفتہ وار مجالس ذکر تسلسل سے جاری کیں ماہانہ مجلس ذکر کا بڑا اجتماع بھی کافی عرصہ سے جاری وساری ہے جس میں کثیر تعداد میں متوسلین شرکت کرتے ہیں۔ آپ کیے خلف الرشید حضرت مولانا مسعود الرحمٰن صاحب دامت برا کاتہم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے سلسلہ چشتیہ میں اُن کے خلیفہ خاص حضرت صوفی محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا تعلق قائم فرمایا اور اُن کے خلیفہ مجاز کے طور پر لوگوں کی اصلاح کا کام شروع کیا اور الحمد للہ متوسلین کی تربیت کر رہے ہیں۔
"خانقاہ اقبالیہ" کے نام سے اصلاحی مرکز قائم فرما کر روزانہ کی مجلس ذکر کے علاوہ ماہانہ، سہ روزہ، سالانہ روحانی پروگراموں اور ملک کے دیگر مقامات پر اصلاحی پروگراموں کا مبارک سلسلہ جاری رکھ کر خوب روحانی تربیت اور اصلاح احوال فرما رہے ہیں جو یقیناً حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کیلئے عظیم صدقہ جاریہ ہے۔ حضرت مولانا مرحومؒ کی کاوشوں کے ذریعے 1974ء میں مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں استاد العلماء حضرت مولانا عبدالغفور صاحب دامت برا کاتہم تشریف لائے اور دینی مدرسہ قائم فرمایا۔ ساتھ ہی اپنے شیخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ دیا اور ہر سال مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر حضرتؒ کی تشریف آوری پر لوگوں کو اُن سے بیعت کرایا ۔ ہفتہ میں دو مجالس ذکر اور روزانہ کے خانقاہی معمولات جاری کئے اور حضرتؒ کے وصال کے بعد اُن کے اجل خلیفہ کے طور پر سینکڑوں متوسلین سلسلہ ملک بھر سے اپنی تربیت کیلئے اُن سے مستفیض ہوتے ہیں اور ٹیکسلا شہر جہاں سلسلہ چشتیہ کے متوسلین کیلئے امید کا مرکز ہے، وہاں سلسلہ نقشبندیہ کے متعلقین کیلئے بھی مرجع امید ہے۔ الحمد للہ روزانہ اس سلسلہ کے لوگوں کی آمد ورفت جاری رہتی ہے اس طرح تینوں سلاسل طریقت قادریہ۔ چشتیہ۔ اور نقشبندیہ کے معمولات جاری وساری ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن سلاسل کو تا ابد قائم رکھے اور اِن حسنات کا ثواب حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی روح کو پہنچائے

تصوف میں آپؒ کا مقام اور اکابر کا اعتماد:۔

پاکستان کے بہت بڑے مفسر قرآن اور ولی کامل حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہ جو شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرّہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں وہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ وہ ولایت کے بہت اونچے مقام پر فائز ہیں۔آپ لوگ نے اُنہیں پہچانا نہیں۔آپ اکثر فرماتے کہ پاکستان بھر میں دنیا سے بے رغبتی اور للّٰہیت کے بلند مقام پر صرف تین علماء فائز ہیں جن میں حضر مولانا محمد داؤد صاحبؒ بھی شامل ہیں اسی طرح ایک بار فرمایا علماء میں حسد سے پاک صرف تین علماء دیکھے ہیں ان میں بھی حضرتؒ کا نام لیا۔حضرت امام لاہوریؒ کے جانشین مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ، حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی صاحبؒ۔شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ اور دیگر اکابر آپؒ کا بہت احترام فرماتے تھے اور آپؒ کو بھی ان حضرات سے نہایت عقیدت ومحبت کا والہانہ تعلق تھا۔اپنے اساتذہ میں سے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے خصوصی تعلق تھا اور اکثر ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے تو آپؒ کا بہت قربت اور محبت کا دائمی تعلق تھا چونکہ وہ بھی طب اور کیمیاء کا شغف رکھتے تھے اس لئے روابط اور بھی زیادہ ہوگئے اور بعد میں سب سے چھوٹے صاحبزادے احسان العظیم صاحب کی آپ کی نواسی سے شادی سے خاندانی تعلق اور بھی مضبوط ہوگیا۔

مشغلہ طب سے انسانی خدمت:۔

آپ کا آبائی پیشہ بھی طب تھا اس لئے آپ نے دہلی میں طبیہ کالج سے علم طب حاصل کر کے سندِ طب حاصل کی اور ٹیکسلا آکر ذریعہ معاش کو طور پر اسی مصروفیت کا اختیار کیا۔جس سے نوعِ انسانی کی خدمت ہوسکے جو حصول قرب الٰہی کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔اسی لئے آپ نے اس پیشہ کو دولت کی فراوانی کیلئے استعمال نہیں کیا بلکہ روزانہ کی گھریلو ضروریات کیلئے جب کم از کم مطلوبہ رقم پوری ہوجاتی تو آپ دوکان سے تشریف لے جاتے۔اکثر مریضوں کو مفت دوا عطا فرماتے اور جن سے معاوضہ لیتے وہ بھی انتہائی معمولی ہوتا۔ہفتہ میں ایک دفعہ جب بازار کا ناغہ ہوتا آپ راولپنڈی تشریف لے جاتے۔چوک نیا محلّہ میں ایک حکیم صاحب کی دوکان پر تشریف فرما ہوتے اور وہیں اپنے جماعتی رفیق اور سلسلہ قادریہ کے متوسل مولانا عبدالستار توحیدی صاحبؒ کے ساتھ تبادلہ خیال فرماتے۔ضرورت کی اشیاء خرید لاتے اور جب تک صاحبزادہ گرامی مولانا مسعود الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم زیر تعلیم رہے خود ہی نسخہ جات تیار فرماتے جو مریضوں کی خدمت کیلئے ہوتے۔آپ اپنے اس شعبہ کے انتہائی ماہر حکیم تھے اور اللہ تعالی نے آپ کے ہاتھ میں شفاء رکھی تھی۔ہزار ہا لوگ آپ کے اس فیض سے مستفیض ہوئے اور الحمدللہ تا حال آپ کے صاحبزادگان نے یہ سلسلہ خیر جاری رکھا ہوا ہے اور ملک بھر سے مریض استفادہ کر رہے ہیں.

سیاسی خدمات:۔

آپؒ نے اپنے مرشد وشیخ کے روحانی سلسلہ کے فروغ کے ساتھ ساتھ اُن کی امارت میں قائم کردہ سیاسی جماعت جمعیت علماء اسلام میں بھی ابتدا سے ہی شرکت فرمائی اور اپنے علاقہ کے علماء کو اس میں شامل کر کے جمعیت کے پروگراموں کو عوام الناس تک پہنچایا۔جماعت کے ہر فیصلہ کی تشہیر کی اور اُس پر عمل کیا اور مرکز کا بھر پور تعاون فرمایا.اسی لئے آپؒ کو ضلع راولپنڈی کا امیر منتخب کیا گیا،جس ذمہ داری کو آپؒ نے طویل عرصہ تک بخوبی نبھایا.اور آپؒ کی علالت کے بعد آپؒ ہی کے تربیت یافتہ اور ساتھی استاد روشن دین صاحب کافی عرصہ تک ضلعی ناظم اعلی اور امارت کے عہدوں پر کام کرتے رہے۔اسی طرح ڈویژن صوبہ اور مرکز کی سطح تک ٹیکسلا کی مئوثر نمائندگی ہوتی رہی اور آپ مرکزی شوری کے رکن بھی رہے۔ٹیکسلا کی جماعت کی کارکردگی کو عام مرکزی قائدین تحسین کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کارکنوں کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔اسی لئے جمعیت کے امیر مرکزیہ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کثرت سے ٹیکسلا تشریف لاتے اور حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ سے خصوصی شفقت ومحبت سے ملتے۔اسی طرح صوبائی امیر حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ بھی جو آپؒ کے شیخ زادہ اور خلف الرشید تھے سال میں ایک دو بار ضرور تشریف لاتے تھے اور آپؒ کا بہت احترام کرتے تھے۔حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے جمعیت کی طرف سے 1970ء کے قومی اسمبلی کے انتخاب میں بھی حصہ لیا تھا۔

اولاد کا انداز تربیت:۔

آپ کے صاحبزادے حکیم محمد طیب صاحب نے فرمایا کہ آپ نے ہمارے بچپن میں عجیب انداز سے تربیت فرمائی کبھی کسی کام سے روکنے میں سختی نہیں برتی بلکہ حکیمانہ اور نفسیاتی طریقہ اختیار فرمایا ہمارے محلّہ کے بچے ایک دوسرے سے خوب لڑتے جھگڑتے اور گالی گلوچ کرتے تھے اگرچہ ہم اُن کے ساتھ زیادہ نہ کھیلتے لیکن پھر بھی کبھی کبھار شریک ہو جاتے۔ابا جان نے ایک دفعہ دیکھ لیا تو اُن بچوں سے فرمایا کہ یہ میرا بیٹا محمد طیب اگر کسی کو گالی دے تو تم مجھے آکر بتانا میں تمھیں دس روپے انعام دوں گا۔لیکن مجھے قطعاً نہیں فرمایا

کہ دیکھنا میں شرط لگا آیا ہوں تم اب کسی کو گالی نہ دینا۔اس طرح مجھے خود احساس پیدا ہوگیا کہ دس روپے تو بڑی رقم ہے دوکان سے روزانہ صرف دو تین روپے آمدن ہوتی ہے جس سے ہمارے گھر کا روزانہ کا خرچ پورا ہوجاتا ہے۔اگرچہ اُن دنوں شیطان نے خوب ورغلایا کہ گالی دینے میں خوب مزا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کیلئے گالی سے نفرت پیدا کردی چھوٹے صاحبزادہ گرامی احسان العظیم صاحب فرماتے ہیں کہ دنیاوی ساز وسامان کے نقصان پر ابا جان نے کبھی ملال نہیں فرمایا البتہ نماز کی سستی پر ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ آئندہ نماز میں سستی کی تو گھر سے نکال دونگا.

رجال کاری کی تیاری؛

ٹیکسلا مسجد میں امامت کی ذمہ داری کے بعد آپ نے محلّہ کے ماحول کو دیکھتے ہوئے انتہائی غیر محسوس طریقے سے زورآور اور بااثر خاندانوں کے نوجوانوں کی زورآوری، منہ زوری اور بے باکی کے جذبات کا رُخ بدلنا شروع کیا اور "اَشَدُّھُم فِی الجَاھِلِیۃَ ؛ اَشَدُّھُم فِی الِاسلَام " کا مصداق بنایا.وہ خاندان جو باہمی دشمنیوں میں مصروف تھے، انتہائی اخلاق اور حکمت عملی سے اُنہیں اُن باطل طبقوں کے مقابلے کیلئے تیار کیا جو اپنے سیاسی غلبہ سے عوام کا معاشی و مذہبی استحصال کرتے تھے متنازعہ مسجد کی سول نافرمانی کی تحریک، تحریک ختم نبوت ﷺ اور خاکسار تحریک کے مقابلے کیلئے ان نوجوانوں کو اپنے ساتھ ملایا اور ان میں ایسا جذبہ پیدا کردیا کہ ایبٹ آباد کے کیمپ میں اُنہوں نے انگریز افسر کو جو اُس وقت جابر حکمران تھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔اِن ہی خاندانوں نے پھر رفتہ رفتہ شہر کی سیاسی وانتظامی قیادت سے باطل فرقے کے سرکردہ افراد کو فارغ کردیا اور اِس طرح جو تسلّط صدیوں سے قائم تھا وہ ختم ہوگیا.

نوجوان نسل کی دینی تربیت کا ثمر (تنظیمی صلاحیت):۔

سکول کا قیام کرکے جب نوجوان طلبہ کی دینی تربیت کرکے ان میں مذہبی حمیت پیدا کردی تو سکول سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد متاثرہ کمزور محلوں کے اُن طلبہ نے 1964ء میں نوجوانوں کی ایک تنظیم قائم کرلی جسے "انجمن شبان اسلام" کا نام دیا گیا اور اس تنظیم نے تقریباً بیس سال تک علاقہ بھر میں بھرپور مذہبی.سیاسی اور سماجی خدمات انجام دیں حتیٰ کہ 1970ء میں ملکی سطح پر قائم ہونے والے انیس جماعتوں کے "متحدہ دینی محاذ پاکستان" کی ایک رکن جماعت رہی جسے مجاہد ملت اور حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے رفیق خاص مولانا غلام غوث ہزاروی نے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچایا۔راقم السطور کو اس محاذ میں نمائندگی کا اعزاز حاصل رہا۔سکول کے اوّلین طلبہ نے اپنے اپنے شعبہ میں نمایاں کارکردگی کے عوض نیک نامی حاصل کی.کوئی انجینیئر بنا تو کوئی ڈاکٹر بنا اور کچھ نے صنعت کو اختیار کیا چند ایک نے بلدیاتی عہدوں پر بطور چیئرمین اور ناظم کے فرائض انجام دیئے اور بعض خوش قسمت تعلیم کے میدان میں ماہر استاد بنے۔غرضیکہ دنیاوی شعبوں میں بھی ان طلباء نے اہم مقامات تک رسائی حاصل کی۔گارڈن کالج میں نماز باجماعت شروع کرائی۔

روحانی،تعلیمی اور سماجی خدمات:۔

جہاں تک دینی شعبوں کا تعلق ہے، روحانی سلسلے کے فروغ کیلئے آپ کے صاحبزادہ گرامی سلسلہ چشتیہ کی خانقاہ قائم فرما کر انجام دے رہے ہیں سلسلہ قادریہ کا نظام آپ ہی کے تربیت یافتہ جناب استاد محمد رفیق صاحبؒ نے خوب آگے بڑھایا اور مذہبی خدمات میں بھی تاحیات انجام دیتے رہے اور فروغ تعلیم کیلئے ستائیس سال سکول کے سربراہ کے طور پر کام کرتے رہے جس سے ہزاروں طلباء وطالبات زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوئے اور دینی واخلاقی تربیت بھی حاصل کی۔اس کے ساتھ ساتھ سیاسی وسماجی خدمات بھی انجام دیتے رہے اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے اور تعمیر کردہ مسجد عثمان غنیؓ بھی خوب آباد کی۔احقر مرتب بھی حافظ محمد رفیق صاحبؒ کا ہم سبق رہا ہے اور ہم دونوں دوستوں کو میٹرک کے بعد ہمارے محسن حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ ٹیکنیکل کالج میں داخلہ لے کر تم صنعتی اداروں میں افسر نہ بنو بلکہ ہم نے تمہیں اس لیے تربیت دی ہے کہ دوسرے کالجوں سے سائنسی مضامین کے امتحان پاس کرکے اپنے مادرعلمی میں تعلیم وتربیت کا کام کرو تاکہ یہ سلسلہ جاری وساری رہے چنانچہ ہم نے حکم کی تعمیل کی لیکن اس دوران حکمت خداوندی سے حضرتؒ سکول انتظامیہ سے الگ ہوگئے اور 1976ء میں سکول کو قومی مملکت میں دے دیا گیا اور ہم دونوں دوست رزق حلال کے حصول کیلئے پی.او.ایف واہ اور ایچ.ایم.سی ٹیکسلا میں ملازم ہوگئے دس سال گزرنے کے بعد حضرتؒ کی کرامت کا ظہور ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل میں سکول کے قیام کا خیال ڈال دیا۔1978ء میں تعلیم الاسلام سکول قائم کیا جو 2005ء تک خدمات انجام دیتا رہا۔ساتھ ہی طلبہ وطالبات کیلئے اسلامیہ ہائی سکول 1985ء میں شروع کیا جو 2009ء تک مختلف سطح پر کام کرتا رہا اب بھی اس کی عمارت میں دانش پبلک سکول فروغ تعلیم میں مصروف ہے اور ہمارے ہی ایک شاگرد نے

مشعل سکول سسٹم کے تحت کئی ادارے قائم کررکھے ہیں۔ہم نے تقریباً بیس پچیس سال الحمدللہ ہر میدان میں قابل ذکر کام کیا ہے۔اسلامیہ سکول میرے زیرانتظام تھا جس کی دو تین شاخیں بھی مصروف عمل رہیں۔دینی وسیاسی جماعتوں کی ملکی سطح تک الحمدللہ نمائندگی کی اور ابھی تک کسی نہ کسی حد تک مرکزی علماء ومشائخ سے رابطہ وتعلق ہے۔علاقہ بھر میں

بالخصوص ایچ.ایم.سی ٹیکسلا میں بیالیس سالہ ملازمت کے دوران بیش بہا دینی خدمات انجام دیں صدقہ جاریہ کے طور پر ایک دینی مدرسہ بھی قائم کرایا جہاں سے سینکڑوں طلباء نے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی اور اب درس نظامی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔لوگوں کی تربیت کیلئے بیسوں تبلیغی اجتماعات منعقد کرائے گئے۔حضرتؒ نے جب سے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر ملتان میں منعقدہ جمعیت کے مرکزی یا صوبائی اجلاس میں بھجوایا تب سے الحمدللہ جمعیت کا بھرپور کام کیا شہر کی سیاسی فضاء میں بھی رضا کارانہ خدمات انجام دیں۔اللہ کے فضل سے ڈیڑھ درجن مقدمات بالخصوص قتل کے مقدمات میں الجھنے سے بھی پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور بزرگوں کی دعاؤں اور توجہ سے اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے نوازا۔زیادہ تفصیل سے خودستائی کا خدشہ ہے تحدیث نعمت کے طور پر اجمالاً ذکر کر دیا ہے اس لئے کہ یہ سب حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نوراللہ مرقدہ کا صدقہ جاریہ ہے۔

حج وعمرہ کے اسفار:۔

آپؒ نے پہلا حج 1964ء میں ادا فرمایا 16 مارچ کو تیزرو پر کراچی روانہ ہوئے اور 27 مئی بروز بدھ شام کو ٹیکسلا واپس تشریف لائے۔دوسرا حج آپ نے 1968ء میں 15 فروری کو اہلیہ و برادر نسبتی حکیم غلام محمد صاحب کے ہمراہ فرمایا جس میں ٹیکسلا کے 17 ساتھی ہم سفر تھے۔یہ سفر کراچی سے بذریعہ بحری جہاز ہوا ساتھیوں کے بقول آپ نے سارے سفر میں اپنے معمولات کو احسن طریقے سے ادا کیا۔قیام مکہ مکرمہ میں صبح ایک ہی دفعہ کھانا کھا کر حرم شریف میں تشریف لے جاتے اور زیادہ وقت وہیں تلاوت.طواف.اور عبادت میں گزارتے۔مدینہ منورہ میں بھی مسجد نبوی ﷺ میں یہی معمول رہا.حج کی ادائیگی کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران شدید طوفانی بارش اور سیلاب آیا جس کا ذکر آپؒ نے مولانا عبدالمعبود صاحب سے خود کیا اور انہوں نے اپنی مرتبہ کتاب " تاریخ مکہ کرمہ " میں آپ ہی کے لفظوں میں یوں درج کیا" حج سے تقریباً ایک ہفتہ بعد زبردست بارش ہوئی اور سیلاب آ گیا جس سے کئی گاڑیاں پانی میں بہہ گئیں یہ کاریں وغیرہ پانی کے نکاسی والے نالے میں جا پھنسیں اور پانی رک کر حرم شریف میں داخل ہو گیا جس کے باعث صحن حرم جھیل کی مانند نظر آتا تھا.مطاف میں پانی کی سطح چار فٹ تک بلند ہو گئی۔زمزم کا کنواں بھی اس پانی سے لبریز ہو گیا۔قرآن مجید پانی پر تیر رہے تھے۔بعض لوگوں نے بڑی جرات سے تیر کر قرآن مجید باہر نکالے جو لوگ حرم میں موجود تھے ان کا باہر نکلنا ناممکن ہو گیا اس کے باوجود طواف کرنے والے ایمانی جرات کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ اس خوفناک سیلاب میں بھی تیر کر طواف کعبہ میں مصروف تھے جب بارش تھم گئی اور سیلاب کا زور ٹوٹ گیا تو لوگوں نے مطاف اور حرم شریف کو صاف کیا۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ زمزم کا کنواں جو غلیظ پانی سے بھر گیا۔اُسے بجلی کی موٹر سے صاف کرنے کیلئے میونسپلٹی کے عملے نے سرتوڑ کوشش کی مگر وہ موٹر چلانے میں ہر طرح ناکام رہے متعدد موٹریں جل گئیں مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے ایک پاکستانی انجنیئر جو گوجرانوالہ کا رہنے والا تھا،وہ یہ منظر دیکھ رہا تھا تو اُس نے بار بار درخواست کی کہ مجھے موٹر چلانے کی اجازت دی جائے،میں فوراً آپ کا کام کر دونگا مگر منتظمین نے ایک نہ سنی،جب وہ سخت مجبور ہوئے اور متعدد موٹریں بھی جل گئیں تو اُنہوں نے بامر مجبوری پاکستانی حاجی کو اجازت دی،جس نے فوراً موٹر سٹارٹ کی اور میونسپلٹی کے عملے نے کام شروع کیا۔اس طرح اُن کا مسئلہ حل ہو گیا مذکورہ دو حج کے اسفار کے علاوہ آپ نے چار بار عمرہ کی سعادت حاصل کی۔دوران علالت بھی عمرہ کرنے کی خواہش کا اظہار فرماتے.وصال سے دو تین دن قبل صحت کچھ بحال ہوئی تو باوجود شدید نقاہت اور کمزوری کے فرمایا میں بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتا ہوں مجھے عمرہ پر لے جاؤ۔

روزانہ کے معمولات:۔

اتقریباً ساری زندگی بوقت سحر تہجد اور بعد نماز فجر درس قرآن ارشاد فرما کر گھر تشریف لاتے اور طالبات کو باترجمہ قرآن مجید پڑھاتے اس کے بعد چائے پی کر مسجد میں نماز اشراق ادا فرماتے اور دن 10 بجے تک قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہتے.اس کے بعد مطب پر تشریف لے جاتے اور 12 بجے واپس آ کر قیلولہ اور کھانا کھانے کے بعد نماز ظہر کے لئے مسجد میں جاتے۔بعد ظہر کچھ وقفہ کر کے مطب پر تشریف لے جاتے اور قبل عصر واپس تشریف لاتے.نماز عصر کے بعد عموماً غریب گھروں میں مریض دیکھنے یا قبرستان میں دعا کیلئے تشریف لے جاتے،جہاں کبھی کبھار جڑی بوٹیاں بھی مل جاتیں.مغرب تا عشاء کھانا اور اہل خانہ کو نصائح کا معمول تھا۔نماز عشاء کے بعد اپنے ذکر کے معمولات پورے فرماتے اور جلد سونے کی کوشش فرماتے ۔

مرض الوصال؛بشارتیں اور وصیّت؛

وصال سے قبل آپ تقریباً دس سال تک بستر علالت پر رہے اس دوران بلا ناغہ تہجد.تلاوت اور ذکر اذکار کا سلسلہ جاری رکھا فرض نمازوں کے علاوہ نفلی نمازوں کا بھی اہتمام فرماتے اور کبھی کبھار باقاعدہ سلسلہ قادریہ کی مجلس ذکر بھی کراتے۔وصال سے دو تین دن قبل صحت کی جزوی بحالی پر عمرہ کی خواہش کا اظہار بھی فرمایا۔انہی دنوں میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ قریبی گاؤں کے دیرینہ ساتھی راجہ محمد اسلم صاحب جو فوت ہو چکے تھے کہہ رہے تھے کہ مولوی جی! آپ ڈریں نہ یہاں تو بڑی بہاریں بنی ہوئی ہیں،آپ موت کی تیاری کریں اور ہمارے پاس پہنچنے کی کوشش کریں۔آپ اولاد سے فرماتے رہتے تھے کہ بھائی مرنا تو ہر انسان نے ہے،میں نے بھی مرنا ہے آپ نے مجھے مرنے کے بعد زیادہ

ٹھہرانانہیں ہوش میں رہنا۔ پہلا غسل خود دینے کی کوشش کرنا اور بعد میں دوسرے رشتہ داروں اور متعلقین کو بھی ساتھ شامل کرنا خاص طور پر استاد رحمت دین صاحب اور حافظ مبارک صاحب کو ضرور شامل کرنا.

یوم وصال؛

آخری دنوں میں گلے میں تکلیف ہوگئی تھی، اسہال بھی تھے، اسی طرح بخار بھی ہوگیا تھا اس لئے کافی نقاہت ہوگئی تھی۔ یوم وصال کو فجر کی نماز تیمّم سے ادا کی۔ صبح دس بجے ڈاکٹر کے مشورہ سے ڈرپ لگانے کی تجویز ہوئی تو فرمایا ابھی نہ لگاؤ تھوڑا انتظار کرلو۔ پھر اپنی اہلیہ محترمہ کو بلوایا اور پوچھا آج کیا دن ہے؟ نقاہت کی وجہ سے آواز بہت مدہم ہوگئی تھی۔ اور بار بار بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوجاتی۔ اس دوران دوبارہ اہلیہ محترمہ کو بلوایا اور فرمایا ڈرپ کی ضرورت نہیں رہی۔ پھر اپنے خلف الرشید حضرت مولانا مسعود الرحمٰن صاحب کو بلوایا اور پوچھا بیٹا یہاں سبز پگڑی والے کون بزرگ بیٹھے تھے حالانکہ وہاں اُس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ رجال غیب میں سے کوئی ہوگا۔ اسی طرح یوں بھی محسوس ہوتا تھا کہ حضرت ہاتھ آگے کر کے کسی سے مصافحہ کر رہے ہیں وصال سے چند لمحے قبل آپ نے آنکھیں کھولیں اور اچھی طرح ہر طرف دیکھنے کے بعد دنیا سے ہمیشہ کیلئے لاتعلق ہوگئے اور خود ہی قبلہ رُخ کرلیا۔ سانس نکلنے سے پہلے ہونٹ حرکت کر رہے تھے اور تین چار ہچکیوں کے بعد روح پرواز کرگئی۔

آپ کی وفات کے وقت کمرے میں بڑے بیٹے حکیم مسعود الرحمٰن صاحب ہی موجود تھے۔ وفات کے فوراً بعد اُنہوں نے چھوٹے بھائی احسان العظیم صاحب کو اطلاع دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ حوصلہ رکھو اور میرے ساتھ آؤ، ابھی گھر والوں کو اطلاع نہیں کرنا پہلے ہم دونوں مل کر والد صاحبؒ کو غسل دیں گے اور بعد میں باقی اہل خانہ کو اطلاع کریں گے چنانچہ دونوں نے مل کر پہلا غسل دیا نئے کپڑے پہنائے اور داڑھی مبارک پر تیل لگایا۔ اِن تمام کاموں سے فارغ ہو کر باقی گھر والوں کو اطلاع دی گئی۔ اس سے پہلے گھر والے یہی سمجھ رہے تھے کہ کمرے وغیرہ میں صفائی ہو رہی ہے جو اس سے پہلے بھی اکثر کی جاتی تھی۔ یوں اللہ تعالیٰ کا ولی کامیاب زندگی گزار کر اپنے محبوب رب کے پاس خوشی خوشی نفسِ مطمئنہ کی طرح پہنچ گیا یہ ھجری سال ۱۴۱۰ھ کے پہلے مہینے محرم کی بیس تاریخ تھی، جو شمسی سال 1989ء کی 23 اگست بنی۔

جنازہ اور تدفین:۔

آپؒ کا جنازہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ مجاز مفتی مختار الدین صاحب کربوغہ شریف نے پڑھایا جو اُس دن صبح عیادت کیلئے بھی حاضر ہوئے تھے جنازہ میں صلحاء، علماء، حفاظ، قراء کی کثیر تعداد نے شرکت کی اور اُس بشارت سے مستفیض ہوئے جو اُس وقت ایک ولی اللہ نے سنی کہ "بُشریٰ لِلمُصَلّین" جنازہ پڑھنے والوں کو خوشخبری ہو۔

مدرسہ تعلیم القرآن کا قیام، مقاصد اور کارکردگی

بیسویں صدی کے نصف آخر کے حالات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث عرصہ کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی وسماجی حالات کے تفصیلی تذکرہ سے قبل ایک ایسے انقلابی اقدام کا ذکر کر دیا جائے جس کے مثبت اثرات آج 67 سال بعد بھی محسوس ہو رہے ہیں جو اس پر خلوص جدوجہد کی قبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور اسی کاوش کا ثمرہ ہیں۔

عصری ودینی تعلیم کے امتزاج کے حامل تعلیمی ادارہ کے قیام کا مقصد:۔

برصغیر میں مسلمانوں کے آباد ہونے پر اس وقت کے مسلمان زعماء وعلماء نے نوجوانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کیلئے تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں وقت کی ضرورت کے مطابق تعلیم دی جاتی۔ دنیاوی ودینی تعلیم میں کوئی تفریق نہ تھی۔ تمام مسلمان حکمرانوں نے ایسے اداروں کی مدد، سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی بلکہ بعض بادشاہوں نے خود بھی ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں اعلیٰ معیار کی تعلیم دی جاتی۔

انگریز حکمرانوں نے اپنا تسلط قائم ہو جانے کے بعد بالعموم اور 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد بالخصوص ایسے تعلیمی اداروں کو ختم کر کے ایسا نظام تعلیم رائج کرنے کی کوششیں شروع کر دیں جو بقول "لارڈ میکالے" ہندوستانی طلبہ کو بظاہر ہندوستانی رہنے دے گا لیکن تمدن ومعاشرت کے لحاظ سے وہ فرنگی عادات واطوار کے مالک بنادیئے جائیں گے۔

سرکردہ علمائے کرام نے اس ماحول کو دیکھ کر "دینی علوم" کے مٹ جانے کے خدشے کو محسوس کرتے ہوئے مختلف مقامات پر قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ فنی علوم پڑھانے کیلئے اپنے اپنے وسائل کے مطابق چھوٹے بڑے مدارس بنائے جن میں سے 30 مئی 1866ء کو شروع کیا جانے والا "دارالعلوم دیوبند" سب سے موثر ادارہ بنا اور چار دانگ عالم میں اپنی خصوصیات کی وجہ سے مقبول ومشہور ہوا۔

دوسری طرف صرف دنیاوی تعلیم کیلئے سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء نے علی گڑھ میں تعلیمی ادارہ قائم کیا وہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے عالمی شہرت کا حامل بنا۔ اس کے علاوہ بھی بعض مشہور تعلیمی ادارے برصغیر کے مختلف شہروں میں قائم ہوئے۔

تحریک آزادی کے عظیم مجاہد اور برصغیر کی اقوام کے محسن حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ مذکورہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے شاگرد تھے جنہوں نے بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ظاہراً درس نظامی کا نصاب پڑھا اور باطناً جذبہ حریت اور اس کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کی تربیت حاصل کی۔ 1873ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد 1920ء میں مالٹا کی قید سے رہائی تک حاصل کردہ جذبہ اور تربیت بروئے کار لاتے ہوئے کیا کچھ منصوبے بنائے، کتنی قربانیاں دیں اس کی تفصیل کے لئے آپ کی سوانح کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

زیر نظر بحث سے متعلق آپ کا رہائی کے بعد برصغیر واپسی پر ادا کیا جانے والا کردار ہمارے پیش نظر ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ "دارالعلوم دیوبند" اور "مسلم یونیورسٹی علی گڑھ" دینی ودنیاوی علوم کے دو متوازی بڑے ادارے تھے اور نظریاتی بُعد بھی تھا۔ پالیسی بھی متضاد تھی لیکن دونوں اداروں کے فضلاء آزادی کے مطالبہ پر متفق الخیال تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی واپسی کے بعد اکتوبر 1920ء کو خود علی گڑھ جا کر حالانکہ آپ پیرانہ سالی، علالت ونقاہت کی وجہ سے سفر کے بالکل قابل نہ تھے دونوں تاریخی اداروں کا رشتہ آپس میں جوڑا۔

اپنے علی گڑھ کے اس دورہ میں خطبہ کے دوران آپ نے فرمایا کہ ہمارے اکابر سلف نے کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں یہ بے شک کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہ ہوتا ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت کی وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم سے ایک مسلمان کا جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔ ہماری عظیم الشان قومیت کا یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام نہ پیدا کریں بلکہ بغداد اور قرطبہ یونیورسٹیوں جیسے عالم وسکالر بنائیں جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا۔

اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں مدرسوں، خانقاہوں میں کم اور سکولوں کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔

اس موقع پر شیخ الہندؒ نے ایک آزاد یونیورسٹی کے افتتاح کا اعلان کیا جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثر سے بالکل آزاد ہو اور جس کا تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی محسوسات پر مبنی ہو۔

یاد رہے کہ دوران تحریک آزادی وتحریک خلافت وغیرہ علی گڑھ کے اکثر فضلاء بالخصوص مولانا محمد علی جوہر، محمد شوکت علی جوہر، حکیم محمد اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ آپ کے رفقائے کار رہے حضرت شیخ الہندؒ کے اس دینی وعصری تعلیم کے امتزاج کے حامل اداروں کے قیام کے منصوبے کی تکمیل کیلئے مولانا محمد علی جوہرؒ

نے اسی سال 1920ء میں دہلی میں "جامعہ ملیہ اسلامیہ" قائم کیا اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے گجرات میں آزاد ہائی سکول کی بنیاد رکھی جس کا افتتاح تحریک حریت کے نامور رہنما اور مجاہد آزادی "مولانا ابوالکلام آزاد" نے کیا۔

مدرسہ تعلیم القرآن ٹیکسلا کا قیام:۔

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں 1949ء کے سال قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم تجوید کے قواعد کے ساتھ شروع کرادی تھی جس میں طلباء کو ابتدائی ضروری مسائل و دینی معلومات بھی فراہم کرنا شامل تھے۔ پہلی جماعت جناب مسعود الرحمٰن صاحب، نور الٰہی اعوان صاحب، عبدالخالق ہاشمی صاحب، ماسٹر صغیر احمد شاہ صاحب، میر شوکت محمود صاحب، غلام جیلانی صاحب، علامہ غلام مصطفیٰ زرگر، ملک اللہ دتہ صاحب (ملک بشیر) وغیرہ پر مشتمل تھی۔

ابتدائی طور پر تعلیم مسجد کے اندر ہوتی پھر مسجد کی مشرقی جانب، طہارت خانوں کے اوپر واقع کمرے میں منتقل ہوگئی اور اس دوران مسجد کے شمال میں ملحقہ ہندوؤں کی متروکہ عمارت مل جانے پر وہاں تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ مقامی آبادی کے ذوق وشوق کو دیکھ کر 1952ء میں باقاعدہ سکول کی طرز پر کلاسوں کا آغاز کر دیا گیا۔ مذکورہ طلباء کے علاوہ عطاء محمد صاحب، شیخ جاوید محمود صاحب، میر سلیم اختر صاحب، مطلوب اعوان صاحب، محمد یونس صاحب بھی دوسری کلاس کے طور پر شریک تعلیم ہوگئے۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب مذکور کے علاوہ دو مزید اساتذہ استاد غلام ربانی صاحب اور استاد رحمت دین صاحب کا تقرر کر دیا گیا۔ انتظامی طور پر حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے ابتدائی رفقائے کار میں شیخ علاؤ الدین صاحب، ملک عبداللہ صاحب، محبوب الٰہی اعوان صاحب، منشی غلام محمد صاحب، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، استاد محمد دین صاحب، استاد روشن دین صاحب وغیرہ تھے۔ سکول کی تعلیم کا بندوبست ہو جانے پر شہریوں نے اپنے بچوں کو دوسرے سرکاری سکولوں سے اٹھوا کر اس مدرسہ میں داخل کرانا شروع کر دیا۔ اور پہلے سال ہی چہارم تک کلاسیں شروع ہوگئیں۔

استاد رحمت دین صاحبؒ کی یاداشتوں کے متعلق 12 فروری 1953ء کو مرکزی جامع مسجد میں مدرسہ کے طلباء کا پہلا اجتماع منعقد ہوا جس میں مذکورہ معاونین نے شرکت فرمائی۔ طلباء نے ہی تلاوت، نظم، مدرسہ کے اغراض اور علم کی ضرورت کے موضوع پر تقاریر کیں۔ یہ اجتماع بہت کامیاب ثابت ہوا۔ مدرسہ کے نصاب تعلیم اور انداز تربیت کی تفصیلات آئندہ صفحات میں درج کی جائیں گی جن سے متاثر ہو کر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء بالخصوص مہتمم دارالعلوم دیوبند جناب مولانا قاری محمد طیّب صاحبؒ بنفس نفیس تشریف لائے معلومات حاصل کیں اور بڑی خوشی کا اظہار کر کے حوصلہ افزائی فرمائی۔

مذکورہ پروگرام کے انعقاد کے چودہ دن بعد 26 فروری کو ملک بھر میں "تحفظ ختم نبوت" کے لیئے جاری پرامن تحریک کے مرکزی، صوبائی و ضلعی قائدین کی گرفتاری کے خلاف" احتجاجی تحریک" شروع کر دی گئی اور "مدرسہ تعلیم القرآن" میں تعلیم کا سلسلہ جون تک معطل ہو گیا اس لئے کہ جناب مہتمم مولانا محمد داؤد صاحبؒ، استاد رحمت دین صاحب اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار ہو گئے تھے۔ اس تحریک کے اسباب اور مختصر حالات رقم کیئے جارہے ہیں تاکہ موجودہ نسل حقیقی صورتحال سے آگاہ ہو سکے اس لئے کہ "لبرل طبقہ" کے لوگ غلط بیانی کر کے اس تحریک کا منفی تاثر پیدا کرتا رہتا ہے۔

مرزا قادیانی، اس کی جماعت کی کارستانیاں

اور

تحریک ختم نبوت 1953ء

مرزا غلام احمد قادیانی کا تعارف:۔

مذکورہ تحریک چونکہ قادیانیوں کے خلاف چلائی گئی تھی جن کا سربراہ جھوٹا مدعی نبوت مرزا غلام قادیانی تھا اس لئے موصوف کا تعارف اختصار سے درج کیا جاتا ہے۔انگریز حکمرانوں نے 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر میں اپنی حکومت کے دائمی استحکام کیلئے تجاویز تیار کرنے کی غرض سے برطانوی سیاست دانوں اور پادریوں پر مشتمل دو وفد 1869ء میں ہندوستان بھیجے جنہوں نے مشترکہ رپورٹ یہ دی جسے "دی ارائیول آف برٹش امپائر ان انڈیا("The Arrival of british Empire in India") کا نام دیا گیا۔

"ہم برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں۔اب ایسے غدار کی ضرورت ہے جو ظلی اور مہدی ہونے کا دعوٰی کرے۔ایسے غدار کو تلاش کرنا اصل کام ہے۔ہندوستانی مسلمان پیروں،فقیروں کے بہت معتقد ہیں اور ان کا امام مہدی کے ظہور کا بھی عقیدہ ہے اگر ایسا آدمی مل جائے جو یہ اصل کام کرے تو اس کی حفاظت واعانت کرکے مسلمانوں میں سے حکومت برطانیہ کی وفادار جماعت پیدا کی جاسکتی ہے"۔(رپورٹ سرولیم اور پادری صاحبان)

چنانچہ انگریز حکومت نے اس رپورٹ کو منظور کرتے ہوئے ایسے کردار کی تلاش شروع کردی جو جدّی،پشتی نسلاً بعد نسلٍ غلامی کی خو رکھنے والا ہو،مذہبی علم بھی رکھتا ہو اور پہلے سے کچھ شہرت بھی اس حوالے سے موجود ہو۔ادھر قدرت کو "غلام احمد قادیانی" کی بدبختی منظور تھی جس کے آباؤ اجداد سکھ حکمرانوں کی غلامی کرتے کرتے برطانوی اقتدار آنے پر ان کے وفادار غلام بن گئے۔مرزا قادیانی تحفہ قیصریہ صفحہ 16 پر خود لکھتا ہے کہ

"میرے والد مرزا غلام مرتضٰی صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین تھے اور سرکار انگریزی کے ایسے خیر خواہ اور دل کے بہادر تھے کہ مفسدہ 1857ء (یعنی جنگ آزادی) میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر پچاس جوانوں سمیت میدان جنگ پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ اس گورنمنٹ عالیہ (انگریز) کو مدد دی تھی"۔

مرزا قادیانی 40-1939 ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اس کی تعلیم کے لئے گھر پر ہی اساتذہ مقرر کئے گئے جن میں مولوی فضل الٰہی،مولوی فضل احمد اور مولوی گل علی شاہ سے مرزا نے نحو و منطق کی کتب پڑھیں اور طب کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں جو کہ ایک حاذق حکیم تھے۔حصول تعلیم کے بعد سیالکوٹ میں انگریز ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں "محرّر" بھرتی ہوا اور 1866ء سے 1868ء تک دو سال وہاں ملازم رہا۔اس دوران کچھ مذہبی معلومات ہونے کی وجہ سے پہلے "آریہ سماج" کے خلاف کتابیں لکھیں،ان سے کچھ مناظرے کئے پھر "عیسائی پادریوں" سے مناظرے شروع کئے اس عرصے میں اسے چند پڑھے لکھے زیرک قسم کے ساتھی بھی مل گئے جن میں "حکیم نورالدین" خاص طور پر قابل ذکر ہے ان مصروفیات کی وجہ سے مسلمانوں میں مرزا قادیانی کو شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی اور ادھر انگریز حکمرانوں کو اپنا گوہر مقصود مل گیا۔

برطانوی ہند کی سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لئے طلب کیا اور مرزا قادیانی کو اوپر دیئے گئے مقصد کے لئے منتخب کرلیا۔اسلئے کہ اس ازلی و خاندانی غلامانہ فطرت کے حامل انگریز حکومت کے ملازم کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا آسان تھا۔اس دوران ایک پادری "بٹلر" نے مرزا سے ملاقات کی، معاملات طے ہوئے مرزا نے نوکری سے استعفٰی دے دیا اور قادیان چلا گیا۔وہاں اسے گمنام منی آرڈر ملنے شروع ہوگئے جو دراصل اسے بٹلر خدمات کے عوض بھجواتا تھا۔

چنانچہ مرزا قادیانی نے پہلے اپنے معتقدین پر مشتمل ایک جماعت تشکیل دی اور 1880ء میں "ملہم من اللہ" ہونے کا اعلان کردیا،اس کے بعد مجدّد بنا اور سال کے آخر میں اعلان کردیا کہ خدا نے اسے "بیعت" لینے کا حکم کیا ہے۔اگلے سال "مسیح موعود" ہونے کا دعوٰی کردیا اور اپنے لئے "ظلّی نبی" ہونے کی اصطلاح ایجاد کی۔

نبوت کے دعوے کے بعد انگریز حکومت کے بتائے ہوئے ایجنڈے پر عمل شروع کرتے ہوئے پہلے ان کی حکومت کی وفاداری سے انحراف کو جہنم کی سزا کا مستحق قرار دیا، جہاد کو منسوخ کردیا اور مجاہد مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کردی۔اس وقت کے ہر مسلک کے سرکردہ جید علماء نے ہر سطح پر اس کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو اس فتنے سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے ایمان کے تحفظ کی مساعی کیں۔چونکہ برسراقتدار حکمرانوں کو اس طبقہ کی ہمہ نوسرپرستی کرنی تھی اس لئے اس فتنے کا خاتمہ نہ ہوسکا مرزا قادیانی کی مئی 1908ء میں عبرتناک موت کے بعد بھی یہ طبقہ فروغ پاتا رہا۔سرکاری عہدوں پر تقرری کے لئے ان کو ترجیح دی جاتی۔مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان کو ہر طرح کے وسائل فراہم کئے جاتے۔برطانوی حکومت نے اپنے دوراقتدار میں ان لوگوں کو کلیدی آسامیوں پر تعینات کیا۔سرظفراللہ قادیانی کو "واسرائے ہند" کی ایگزیکٹیو کونسل کا ممبر بنایا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا لیکن شنوائی نہ ہوئی۔برصغیر کی آزادی کے وقت دونوں ملکوں کی حدود کے تعین کیلئے "باؤنڈری کمشن" کے سامنے مرزائی وفد کو پیش ہونے کی اجازت دے کر اس میں پاکستان کے موقف کو کمزور کرواکر "ضلع گورداسپور" کو ہندوستان کے حوالے کرکے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسئلہ کشمیر کو متنازعہ بنادیا اس لئے کہ ہندوستانی فوجیں کسی اور راستے سے کشمیر نہیں جاسکتی تھیں سوائے گورداسپور کے۔

پاکستان بننے کے بعد ظفراللہ قادیانی کا کردار:۔

پاکستان بننے پر "برطانوی حکومت" نے ملک کی اہم ترین وزارت یعنی خارجہ امور کیلئے ظفراللہ قادیانی کا تقرر کرایا جس نے ایسی پالیسیاں اختیار کیں جو 70 سال گزر جانے کے

بعد بھی پاکستان کے لئے ناممکن الحل دردسر ہیں۔اس نے وزیر خارجہ کی بجائے قادیانی مبلغ کا کردارادا کیا۔اکثر سفارتخانوں میں قادیانوں کا تقرر کیا اوراپنے مذہب کے فروغ کیلئے ہرطرح کے اقدامات بے خوف وخطرانجام دیئے۔اکثر عمائدین سلطنت حتّٰی کہ وزیر اعظم بھی ان حرکتوں کوملک کے لئے نقصان دہ محسوس کرتے لیکن سب "بے بس" تھے۔ بانی پاکستان محمد علی جناح کی وفات پراس نے یہ کہہ کر جنازہ پڑھنے سے انکار کردیا کہ "مجھے مسلمان حکومت کا کافر وزیر خارجہ سمجھو یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر خارجہ "اس نے چودہ سوایکڑ سے زائداراضی دوپیسے مرلہ کے حساب سے قادیانیوں کونوّے سال کی لیز پردے دی۔بے بہامتروکہ املاک بھی الاٹ کرائیں۔بلوچستان صوبہ میں ان کومن مانیاں کرنے کا موقع دیااورصورتحال یہاں تک پہنچ گئی کہ اس وقت کے خلیفہ مرزابشیر الدین محمود نے کوئٹہ میں قادیانیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "1952ء کوہاتھ سے نہ جانے دوکم از کم ایک صوبہ بلوچستان پرہماری حکومت قائم ہوجائے تاکہ ہم اسے احمدی صوبہ کہہ سکیں"۔

علمائے حق جوقادیانیوں کے خلاف متحرک رہے۔علماء کے خلاف ہرزہ سرائی کی کہ "خونی ملاؤں کے آخری دن ہیں۔ہاں آخری وقت آن پہنچا ہےان تمام مقتولین کےخون کا بدلہ لینے کاجن کوشروع سے لے کرآج تک یہ خونی ملّاں قتل کراتے آئے ہیں ان سب کے خون کا بدلہ لیاجائے گا۔عطاءاللہ شاہ بخاریؒ سے۔۔۔ملابدایونی سے۔۔۔ملااحتشام الحق سے۔۔۔ملامحمد شفیع سے۔۔۔۔ملامودودی پانچویں سواروں سے"(الفضل 15 جولائی 1972ء)

اسی عزم کی تکمیل کے لئے قادیانیوں نے "فرقان بٹالین" کے نام سے فوجی قوت بھی منظم کی۔ظفراللہ خان مسلسل "ربوہ کانفرنسوں" میں شرکت کرتا۔حکومت کے روکنے کے باوجود مئی 1952ء میں اس نے کراچی میں قادیانیوں کے جلسے میں اشعال انگیز تقریر کی جس سے مسلمانوں میں بہت اضطراب پیدا ہوا۔

"تحریک ختم نبوت"1953ء کی ابتداء:۔

ان حالات کے پیش نظر تمام مکاتب فکر کے علماء جواس سے پہلے "قرارداد مقاصد" کی منظوری اوراسلامی نظام کے نفاذ کیلئے 22 نکات کی تدوین کے وقت بھی متحد ہوچکے تھے اب پھر جمع ہوئے اور 2 جون 1952ء کواجلاس منعقد کیا۔ملک کے چوٹی کے علماء ومفتیان نے حکومت کے سامنے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کئے۔

1) قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔

2) چودھری ظفراللہ خان کووزارت سے الگ کیا جائے۔

3) تمام کلیدی اسامیوں سے قادیانی ہٹائے جائیں۔

ان مطالبات کی منظوری مسلمانوں کے ایک بہت بڑے جلسہ عام میں لی گئی اورعمائدین پر مشتمل ایک باقاعدہ بورڈ بنادیا گیا جس میں ہرمسلک کے سرکردہ علماء کوشامل کیا گیا اس کے علاوہ اس وقت متحرک مذہبی جماعتوں کے نمائندے بھی لئے گئے۔13 جون 1952ء کولاہور میں پہلا کنونشن منعقد ہوااور مذکورہ تین مطالبات منوانے کے لئے "مجلس عمل" تشکیل دی گئی جس کا صدر مولانا ابوالحسنات قادری صاحب کو بنایا گیا اس سال یہ تحریک پرامن طریقے سے چلتی رہی مختلف مقامات پراجتماعات منعقد کرکے حکومت سے یہ مطالبات کئے جاتے رہے لیکن بے سود۔اگلے قدم کے طور پر کراچی میں 16 جنوری 1953ء کو بعدنماز جمعہ "آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن" منعقد کیا گیا جس میں مشرقی پاکستان کے سرکردہ علماء کرام بھی شریک ہوئے۔تین دن جاری رہنے والے اس کنونشن کے آخری اجلاس منعقدہ 18 جنوری میں حکومت کے رویہ سے مجبور ہوکر درج ذیل قرار دادیں منظور کی گئیں اور پندرہ نمائندوں پر مشتمل "جنرل کونسل" بنائی گئی جوان مطالبات کوعملی صورت دے۔

1) حکومت کے طرز عمل کے سبب راست اقدام ناگزیر ہے۔

2) مرزائیوں کا کلی مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ)۔

3) خواجہ ناظم الدین (وزیر اعظم) سے استعفٰی کا مطالبہ۔

وزیر اعظم سے ملاقات:۔

اس حوالہ سے مولاناعبدالحامد بدایونی کی قیادت میں چار رکنی وفد نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان سے 22 جنوری 1953ء کوملاقات کی انہوں نے مطالبات سے ہمدری کا کااظہار کیا لیکن یہ کہا کہ میں یہ مطالبات تسلیم کرنے سے قاصر ہوں۔

وزیر اعظم کی 16 فروری کولاہور آمد پر پھر پانچ رکنی وفد نے ان سے ملاقات کی توانہوں نے کہا کہ میری راہ میں بعض مشکلات حائل ہیں یہ مطالبات تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔ کراچی واپسی پر 21 فروری کووہاں بھی اکابرین کاوفد دوبارہ ملاتوان سے کہہ دیا گیا کہ نہ مطالبات مانے جاسکتے ہیں اورنہ ہی دستورساز اسمبلی میں پیش ہوسکتے ہیں۔

راست اقدام کا فیصلہ:۔

اس صورتحال میں قائدین نے مجبوراً 26 فروری 1953ء کو مجلس عمل کا اجلاس کراچی میں منعقد کر کے راست اقدام کا فیصلہ کرتے ہوئے "رضا کارانہ گرفتاریاں" پیش کرنا شروع کر دیں اور رات کو آرام باغ کراچی میں جلسہ عام منعقد کیا جس میں اور قائدین کے علاوہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے بھی پر جوش خطاب فرمایا۔ رات دو بجے یہ جلسہ ختم ہوا اور چار بجے تمام قائدین کو گرفتار کر لیا گیا۔

ملک بھر میں تحریک کا پھیلاؤ اور قتل عام:۔

مذکورہ گرفتاریوں کے بعد اب تک جاری پر امن تحریک ملک بھر میں زور پکڑ گئی۔ رضا کارانہ گرفتاریاں دی جانے لگیں۔ جیلیں بھرنی شروع ہو گئیں۔ عوام بھڑ ا فراتفری مچ گئی۔ بعض جگہ مرزائیوں کا قتل ہوا۔ لاہور میں مسجد وزیر خان کے باہر ایک ڈی ایس پی قتل ہو گیا۔ اس طرح حکومت کو بہانہ مل گیا جنرل اعظم کی قیادت میں مارشل لاء لگ گیا۔ جس کے ذریعے لاہور میں ختم نبوت کے پروانوں کو گولیوں سے شہید کیا جانے لگا جس سے تقریباً دس ہزار نوجوان اپنے محبوب آقا محمد رسول اللہ ﷺ کی ناموس پر شہید ہو کر "امر" ہو گئے۔ جن کے خون نے 1974ء میں ان باغیان خاتم النبین کو قومی اسمبلی سے "غیر مسلم اقلیت" قرار دلوا کر اپنی "مقبول قربانی" ہونے کا ثبوت دے دیا۔

تحریک کا خاتمہ اور تحقیقاتی کمیشن کا قیام:۔

گورنر پنجاب نے 19 جون 1953ء کو 2 ججوں جسٹس منیر اور جسٹس کیانی پر مشتمل تحقیقاتی کورٹ کا اعلان کیا جس نے "مجلس عمل" جو تمام مسالک کے اکابرین پر مشتمل تھی اور تحریک شروع کرنے والی تھی اس کو نظر انداز کر کے صرف "مجلس احرار اسلام" کو فریق قرار دے کر "احرار احمدی تنازعہ" کا عنوان قرار دیا۔ اس پر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے شہدا کی خون کی ذمہ داری لینے کا اعلان کر دیا اور فرمایا میں اس کا جواب دہ ہوں اور میرا ضمیر مطمئن ہے اسلئے کہ اسلام کے دعویدار ایک بڑی جماعت کے امیر نے کمیشن کے سامنے بیان دیئے کہ میں تو سڑک سے ہٹ کر کھیت میں چھپ گیا تھا مجھے وہاں ایک ٹرک نے لپیٹ میں لے لیا اس لئے میں ذمہ دار نہیں۔ نام لکھنا مناسب نہیں اسلئے کہ " تعصب" کا طعنہ دے دیا جائے گا ورنہ کمیشن کی رپورٹ میں اس طرح کے الفاظ موجود ہیں اور ان کی کتاب میں بھی یہ تحریر شامل ہے۔

ٹیکسلا میں امیر شریعتؒ کی تشریف آوری:۔

پنجاب میں تحریک کے شروع ہونے سے چند دن قبل ہی حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نور اللہ مرقدہ نے فیصل شہید روڈ پر ختم نبوت کے عنوان سے ایک عظیم الشان جلسہ کا پروگرام طے کیا جس سے امیر شریعت اور مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے خطاب کرنا تھا۔ جلسہ کی وسیع پیمانہ پر تشہیر کی گئی۔ جلسہ کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے کہ جلسہ سے انعقاد سے تین چار دن قبل امیر شریعتؒ کی اطلاع موصول ہوئی کہ آپ ٹیکسلا کے جلسہ میں تشریف نہیں لا سکیں گے بلکہ تحریک کے سلسلہ میں کسی اور جگہ جانا ضروری ہے حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے فوراً ایک خط امیر شریعتؒ کو لاہور لکھ دیا۔ دیگر باتوں کے علاوہ آپ نے لکھا کہ میں نے جلسہ نہ تو لوگوں کو خوش کرنے کیلئے منعقد کیا ہے اور نہ ہی آپ کی خوشی مقصود ہے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے رکھا گیا ہے۔ ہمارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں آپ تشریف لائیں یا نہ لائیں پروگرام ضرور ہوگا۔ اتفاق سے یہ خط امیر شریعتؒ کو لاہور ہی میں مل گیا خط پڑھتے ہی آپ نے جلسہ میں شرکت کا فیصلہ کر لیا اور ٹیکسلا پہنچتے ہی امیر شریعتؒ نے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کو یاد فرمایا۔ جب حضرت کی ملاقات شاہ صاحبؒ سے ہوئی تو آپ کا لکھا ہوا خط حضرت کے حوالے کیا اور فرمایا" بھائی! اب تو میں آ گیا ہوں اب تو اللہ راضی ہوں گے نا"۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ امیر شریعتؒ کے اخلاص اور للھیت کی ادنیٰ مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور واسطہ سے متاثر ہو گئے۔ سفر کی صعوبت اور تھکاوٹ کی وجہ سے امیر شریعتؒ نے دوسری نشست میں خطاب کرنے کے ارادہ اظہار فرمایا تو مولانا محمد علی جالندھریؒ نے ذرا سختی سے عرض کی کہ عوام کا جم غفیر صبح سے منتظر ہے ابھی بیان فرمائیں چنانچہ جلسہ میں حضرت امیر شریعتؒ اور مولانا غلام غوث ہزاریؒ کا ختم نبوت کے موضوع پر ولولہ انگیز خطاب ہوا۔ جلسہ کے شرکاء کا کہنا ہے کہ حضرت امیر شریعتؒ نے سکول کے ایک سٹوڈنٹ کو سٹیج پر بلوایا اور پوچھا بتاؤ کہ تمہارے استاد تمہیں غلطی پر مرغا بننے کی سزا دیتے ہیں یا نہیں اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا ہمیں مرغا بن کر دکھاؤ جب وہ مرغا بنا تو امیر شریعتؒ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو شخص یوں مرغا بن کر استاد سے جوتے کھاتا ہو کیا وہ نبی ہو سکتا ہے؟ اس پر خوب نعرے لگے اور حاضرین میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اس جلسہ میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ نے بھی تقریر فرمائی تھی۔ اس جلسہ کی وجہ سے عوام آنے والی تحریک میں پورے خلوص اور جذبہ سے شریک ہوئے ۔ اس موقع پر مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے پریشان ہونے پر حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے خوب دعائیں کیں اور بعد میں قریبی دوستوں کو بتایا کہ تمام اخراجات پورے ہو کر صرف چھ آنے بچے ہیں۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی گرفتاری:۔

ٹیکسلا اور گرد و نواح کیلئے 1953ء کی تحریک کی قیادت آپ نے فرمائی تھی یہاں سے بھی گرفتاریاں دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ 3 مارچ کو عبدالرشید زرگر نے راولپنڈی جا کر پہلی

گرفتاری دی۔ 4 مارچ کو بھوئی گاڑ سے ایک دس رضا کاروں کا جتھا راولپنڈی گیا۔ 8 مارچ کو ٹیکسلا شہر میں ہڑتال کی گئی اور مرکزی جامع مسجد میں ظہر کے بعد جلسہ عام ہوا جس میں حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے تفصیل سے تحریک کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور راست اقدام کی ضرورت کو واضح کیا۔ مسلمان بھائیوں کو حضور ﷺ کی ختم نبوت کے عقیدہ کے تحفظ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کی تلقین کی۔ جلسہ کے بعد جلوس نکالا گیا اور مولانا موصوف کی قیادت میں تیرہ رضا کاروں کا قافلہ تحریک کے سلسلہ میں ہونے والے جلسہ میں شرکت کرنے کیلئے حسن ابدال روانہ ہوگیا۔ وہاں بھی مولانا نے جلسہ سے خطاب کیا اور اگلے دن راولپنڈی گرفتاری دینے کے لئے روانہ ہوگئے۔ اس قافلہ میں مضافات کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ٹیکسلا کے شیخ علاؤالدین صاحب، استاد رحمت دین صاحب، مولوی خدا بخش صاحب، ملک خدا بخش صاحب اور حسینز الپنڈی میں تحریک کا مرکز مرکزی جامع مسجد تھی۔ اس وقت راولپنڈی میں تحریک کے ذمہ دار حضرت مولانا عبدالحنان ہزاروی صاحب تھے جو دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد داؤد صاحب کے ہم سبق رہے تھے۔ اس سے ایک دن قبل راولپنڈی میں ختم نبوت کے پروانوں پر گولی چل چکی تھی اور اس دن بھی حکومت کے تیور درست نہیں تھے، فضاء میں خوف اور سراسیمگی کا غلبہ تھا۔ اس کے باوجود گرفتاری دینے والے رضا کاروں کو رخصت کرنے کیلئے ہزاروں افراد موجود تھے اور خوب جوش وخروش تھا۔ گرفتار ہونے والوں میں راولپنڈی شہر کے تیس پینتیس آدمیوں کے علاوہ دیگر مقامات کے رضا کار بھی تھے اور اس طرح گرفتاری دینے والے نوے یا پچانوے رضا کار موجود تھے۔

مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی مدح سرائی:۔

نماز ظہر کے بعد گرفتاری پیش کی جاتی تھی۔ اس دن مجمع بہت زیادہ تھا۔ حضرت مولان عبدالحنان صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ آج تمہاری قیادت کون سے شخصیت کر رہی ہے۔ آپ نے بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر حضرت داؤد علیہ اسلام کے حالات سنے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دیگر معجزات کے علاوہ ہاتھوں میں لوہا موم کی طرح نرم کرنے کا معجزہ بھی دیا ہوا تھا۔ آج تمہارے قائد کا نام بھی محمد داؤد ہے، ان کی وجہ سے آج حکمرانوں کے دل موم ہوں گے اور کل کی طرح سختی نہیں کرسکیں گے اور انشاءاللہ ایسے مخلص اور باعمل علماء کی وجہ سے تحریک کامیاب ہوگی۔ ٹیکسلا میں 13 مارچ کو بھی پھر مرکزی جامع مسجد میں احتجاجی جلسہ ہوا اور دوسرے دن مزید رضا کار گرفتاری کیلئے راولپنڈی روانہ ہوئے۔

گرفتاری سے جیل تک:۔

گرفتاری دینے والے رضا کار تین تین کی ٹکڑیوں میں نکلتے، لوگ ان کے گلے میں ہار ڈالتے ہر طرف سے نعرۂ تکبیر اور ختم نبوت زندہ باد کی صدا بلند ہوتی اور چھتوں پر موجود عورتیں بھی گل باشی کرتی تھیں۔ گرفتاری کے لئے سب سے آگے مولانا محمد داؤد صاحب تھے آپ کے دائیں طرف شیخ علاؤالدین اور بائیں طرف حسین بخش تھے۔ آپ کے پیچھے وقفہ سے تین تین کی لائن لگی ہوئی تھی راجہ بازار سے گذرے اور فوارہ چوک سے پہلے ہی سب کو گرفتار کرلیا گیا اور جیل بھجوا دیا گیا۔ راولپنڈی جیل کی بیرکیں بھر چکی تھیں، نئے حوالاتیوں کیلئے خیمے لگائے جاتے اور ان میں رکھا جاتا تھا۔ ایک خیمہ میں آٹھ حوالاتی ہوتے آپ کو بھی چند ساتھیوں سمیت ایک خیمہ میں پہنچا دیا گیا۔ گرفتاری کے بعد چند دن تک ملاقات پر سخت پابندی تھی لیکن بیرونی اضطراب اور اندرونی دباؤ کی وجہ سے نرمی کردی گئی اور ملاقات کی اجازت ہوگئی۔

ایک ہفتہ بعد باری باری ہر ایک کو جیل سپرنٹنڈنٹ کے دفتر بلوایا گیا اور وہاں معافی مانگنے پر آمادہ کرنے کے لئے لالچ، دھمکی اور مختلف حربے اختیار کئے گئے لیکن کوئی بھی معافی مانگ کر رہائی حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ بلکہ کمزوری کی بجائے مزید جراءت اور حوصلہ پیدا ہوا۔ آپ راولپنڈی جیل میں تقریباً ایک ماہ تک رہے۔ مقدمہ کی کاروائی جیل کی حدود میں ہی کی گئی۔ فیصلہ پر آپ کو اور دیگر رفقاء کو دو ماہ کی قید سنائی گئی۔

جیل میں بھوک ہڑتال اور استقامت:۔

راولپنڈی جیل میں ختم نبوت کے اسیروں کے ساتھ بہت زیادہ سختی کی جاتی اور ناروا سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ درج ذیل ایسے امور تھے جن سے ہر حوالاتی پریشان اور سراپا احتجاج بنا ہوا تھا۔

1) جیل میں چند حوالاتیوں پر بلاوجہ تشدد کیا گیا۔

2) کھانا انتہائی ناقص دیا جاتا۔

3) صفائی کا نظام بھی درست نہ تھا۔

4) نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

اپنے مطالبات منوانے کیلئے حوالاتیوں نے بھوک ہڑتال کا پروگرام بنایا۔ جیل انتظامیہ کو ہڑتال کے متعلق معلوم ہوا تو انہوں نے حوالاتیوں کی کثیر تعداد کو پنجاب کی مختلف جیلوں میں

بھیج دیا۔تاہم پچاس سے زائد حوالاتی رہ گئے تھے جن کا ہڑتال کا پروگرام پختہ تھا۔ ہڑتال کے سلسلہ میں مشورہ کیلئے حوالاتی حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو بھوک ہڑتال سے روکا اور فرمایا کہ جوش میں اعلان کرنے کے بعد استقلال مشکل ہو جاتا ہے۔لیکن جب ان کا حد سے زیادہ اصرار ہوا اور ہر طرح کی پختگی اور مستقل مزاجی کے وعدے کیئے تو آپ نے بھی ہڑتال میں ان کا ساتھ دیا۔لیکن وہی ہوا جس خدشہ کا آپ اظہار کر چکے تھے۔دو دن بعد سب ہڑتالیوں نے ایک ایک کر کے ہڑتال ختم کر دی اور صرف آپ اکیلے رہ گئے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔مستقل مزاجی اور الوالعزمی آپ کی خاص صفات تھیں۔آپ ہڑتال ختم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔جیل قوانین کے مطابق مخصوص گھنٹوں کی بھوک ہڑتال پر پورے صوبہ میں اطلاع ہو جاتی کہ فلاں جیل کے قیدی نے بھوک ہڑتال کر رکھی ہے۔آپ نے یہ مخصوص مدت مکمل کی تو اب آپ کو علیحدہ کمرہ میں بند کر دیا گیا جہاں آپ کی خصوصی نگہداشت ہوتی۔پوری جیل میں آپ کی شہرت ہو چکی تھی۔اس دوران ایک مشہور زمانہ قاتل بھی جیل میں قید کے دن کاٹ رہا تھا۔اپنے وسائل پر اس نے آپ سے ملاقات کی اور وہ یہ سن کر بہت متاثر ہوا کہ آپ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر قید ہیں اور یہ صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں اس نے اپنے تجربات کی بنیاد پر آپ کو بھوک ہڑتال کے اثرات سے بچنے کیلئے ایک قیمتی گر اور قابل عمل نسخہ بتایا جس پر عمل کرنے سے آپ بھوک ہڑتال کے شدید اثرات سے محفوظ رہے۔جب حکومت کی طرف سے مقرر کردہ بھوک ہڑتال کی آخری حد بھی گذر گئی کہ جس کے بعد بھوک ہڑتال کرنے والے کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے تو جیل انتظامیہ نے فوراً تمام مطالبات تسلیم کر لئے اور آپ کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔وہاں ڈاکٹر آپ کی جرات اور استقلال پر حیرت زدہ رہ گئے جب آپ نے تمام احتیاطی تدابیر کے برخلاف خود دوائی پی اور بغیر کسی مدد کے خود ہی کھایا اور پیا تھا۔اس کے بعد جیل میں آپ کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔

راولپنڈی جیل سے سیالکوٹ جیل تک اور رہائی:۔

راولپنڈی جیل میں مقدمہ کی کاروائی مکمل ہونے پر آپ کو دو ماہ کی قید بامشقت سنائی گئی اور اس کے ساتھ ہی آپ کو مع چند رفقاء کے سیالکوٹ جیل منتقل کر دیا گیا۔سیالکوٹ جیل کا سپرنٹنڈنٹ فخرالدین نامی ایک بدقماش اور سخت گیر آدمی تھا۔بکواس اور گالی اسکی نوک زبان ہوتی۔کسی بڑے سے بڑے آدمی کی توہین کرنے سے نہ ہچکچاتا۔لیکن اللہ کی شان! کہ وہ حضرت کا احترام کرتا اور آپ کے خلاف ہتک آمیز رویے سے پرہیز کیا۔اس کے بجائے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ایک نرم خو اور اچھا آدمی تھا۔وہ قیدیوں اور حوالاتیوں سے رعایت برتتا تھا۔

سیالکوٹ جیل میں بھی ابتدا میں حوالاتیوں کے ساتھ کچھ سختی کی گئی لیکن بیرونی دباؤ کی وجہ سے جلد ہی نرمی کر دی گئی۔

سیالکوٹ جیل میں مدت قید پوری کرنے سے چند دن قبل ٹیکسلا کے کچھ حضرات رہا ہو کر آ گئے تھے اور آپ کی رہائی کا انتظار تھا۔آخر پانچ دن بعد آپ بھی اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ رہا ہو گئے اور ٹیکسلا آنے پر آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔

عارضی تعطل کے بعد مدرسہ تعلیم القرآن کا اجراء، انتظامات و عزائم

مدرسہ میں تعطل کے بعد تدریس کا آغاز، انتظامات اور عزائم:۔

جناب مہتمم حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کے بعد 17 جون 1953ء کو مدرسہ میں تدریس کا سلسلہ ازسرِنو شروع کر دیا گیا۔ پہلے سے مقرر شدہ اساتذہ میں اضافہ کرتے ہوئے 26 جون کو استاد رحمت دین صاحب کو بھی تدریس کیلئے متعین کر دیا گیا۔ تقریباً سال بھر "عربی مدرّسین" کی تلاش جاری رہی اور غالباً حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شہید کو جو جامع مسجد محلّہ عنایت شاہی میں اسی دوران امام وخطیب مقرر ہوئے تھے بطور استاد مقرر کیا گیا اور درس نظامی کی کتب کی تدریس کے لئے حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب (جو موجودہ دو میں عالمی تبلیغی مرکز رائیونڈ کے اکابر علماء میں شامل ہیں اور خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے خلیفہ مجاز ہیں) کا تقرر کیا گیا جو اس وقت بھوئی گاڑ کے قدیم علمی مرکز میں دینی کتب پڑھا رہے تھے۔ اسی طرح 1959ء میں حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب کے استعفٰی کے بعد حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کو اس مقصد کے لئے بطور استاد متعین کیا گیا۔ ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم کیلئے راقم السطور کے والدِ گرامی استاد روشن دین صاحب مقرر ہوئے۔

عصری تعلیم کیلئے ہیڈ ماسٹر بہزاد صاحب، استاد بوستان صاحب، محمد یوسف صاحب، ماسٹر اورنگزیب صاحب وغیرہ جیسے مخلص ماہرین ومحنتی اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

سکول کی طرز پر مدرسہ بنا کر مولانا محمد داؤد صاحب کا اصل منصوبہ حضرت شیخ الہندؒ کے جذبہ وپروگرام کے مطابق ایک ایسی یونیورسٹی کا قیام تھا جس میں کیڈٹ کالجز کی طرز پر بورڈنگ کا نظام بھی موجود ہو اور تمام طلباء کالج اور یونیورسٹی کی حدود کے اندر قیام پذیر ہوں اور یہ ادارہ شہری آبادی سے دور ہو۔ یہاں طلباء کو عصری ومذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی قرآن وسنت کے مطابق بسر کرنے کی تربیت دی جائے تاکہ وہ فارغ التحصیل ہو کر ایک مثالی کردار کے حامل ہوتے ہوئے ملک وملت کی خدمت کر سکیں اور اپنے اخلاق و اعمال میں دوسروں کیلئے نمونہ عمل ہوں۔

اس مقصد کیلئے آپ نے 10 جون 1955ء کو راجہ محمد اسلم صاحب ہیڈ ماسٹر بہزاد صاحب، منشی غلام محمد صاحب، استاد روشن دین صاحب اور اپنے صاحبزادے مسعود الرحمٰن صاحب کے ہمراہ موہڑہ مرادونز د جولیاں کا دورہ کیا اور برلب سڑک مشرقی جانب ایک جگہ اپنے مجوزہ دار العلوم/یونیورسٹی کیلئے دیکھی۔ جس کا اگرچہ تکوینی طور پر انتظام نہ ہو سکا اس لئے کہ وہ علاقہ آثار قدیمہ پر مشتمل تھا وہیں پر زمانہ قدیم میں "بدھ یونیورسٹی" بنی تھی اور حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے شیخ طریقت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری دوران سفر ایک دفعہ وہاں سے گذرتے ہوئے اپنی سواری کی رفتار تیز کرنے کا حکم فرما کر یہ ارشاد فرما چکے تھے کہ یہاں اب تک اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عذاب کے آثار موجود ہیں۔ ظاہر ہے ایسی جگہ مولانا کے پاکیزہ منصوبہ کیلئے کیسے منتخب ہوتی۔ بعد میں اسی منصوبہ کی تکمیل کیلئے موجودہ فیصل شہید روڈ پر 13 کنال پر مشتمل رقبہ حاصل کیا گیا۔ جہاں اب "گورنمنٹ تعلیم القرآن ہائی سکول ٹیکسلا" مصروفِ عمل ہے۔ اگرچہ اس رقبہ پر بھی حسبِ پروگرام کام نہ ہو سکا لیکن مولانا کے عظیم ارادے اور بلند عزائم ان کوششوں سے عیاں ہیں۔ اسی لئے ملک کے عظیم دانشور اور کالم نگار شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی صاحب نے چند سال قبل ٹیکسلا میں "شیخ الہند سیمینار" سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ ادارہ تعلیم القرآن اگر "قومیانہ" نہ لیا جاتا اور اپنے پروگرام کے مطابق آگے بڑھتا رہتا تو پاکستان میں یہ پہلا "جامعۃ الرشید" ہوتا اور حضرت شیخ الہندؒ کی خوابوں کی اولین تعبیر بنتا۔

اس ادارہ کی مزید تفصیل سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ادارہ کی طرف شائع شدہ ادارہ کی سرگزشت پر مشتمل کتابچہ کے مضمون کو لکھ دیا جائے۔

تعلیمی ادارہ ٹیکسلا کی مختصر سرگزشت

۴۸ء کے اواخر (اکتوبر ۴۸ء) میں مولوی محمد داؤد نے ٹیکسلا میں ایک مدرسہ بنام مدرسہ تعلیم القرآن۔ تین سال بعد قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سرکاری مدارس کی طرز پر اردو کی تعلیم بھی شروع کرا دی گئی۔ پھر جلد ہی متاثرین حضرات کے مشورہ سے ایک تعلیمی ادارہ کی بنیاد رکھی گئی جس کے مقاصد وضوابط حسب ذیل تھے۔

ادارہ کا نام تعلیمی ادارہ ٹیکسلا

اغراض ومقاصد:۔

غریب اور نادار بچوں کو مفت تعلیم دلانا۔ مروجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ پوری پوری دینی تعلیم کا انتظام کرنا۔ دوران تعلیم ایسی تربیت اور ایسا ماحول بنانے کی سعی کرنا کہ طلبہ فارغ ہو کر جہاں خدا اور رسول کے سچے فرمانبردار ہوں وہاں ملک وملت کے سچے خادم ثابت ہوں۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں ہائی سکولز کی حیثیت کی درسگاہیں قائم کرنا۔

قواعد وضوابط:۔

ادارہ فی الحال آٹھ افراد پر مشتمل ہو گا لیکن حسب ضرورت اراکین ادارہ کی اکثریت اس میں توسیع کر سکتی ہے۔ ادارہ کی رکنیت کے لئے صرف چندہ یا اس کی کوئی مخصوص مقدار ہی وجہ جواز نہ ہو گی بلکہ مذکورہ مقاصد کے ساتھ گہری دلچسپی مرجح ہو گی۔

ادارہ کا کوئی رکن جب تک وہ مستعفی نہ ہو جائے یا اعلانیہ مخالفت نہ کرنے لگ جائے، معزول نہ کیا جا سکے گا۔

ادارہ کی وقتی تشکیل:۔

صدر و سرپرست شیخ محمد دین صاحب، ناظم شیخ علاؤالدین صاحب، خازن محبوب الٰہی صاحب دکاندار

رکن:۔ قبلہ حاجی رحمت دین صاحب، ٹھیکیدار غلام حیدر صاحب (موہڑہ شاہ ولی شاہ) محترم نواب دین صاحب، ملک عبداللہ صاحب، حاجی غلام محمد صاحب دکاندار۔

بانی و مہتمم مدرسہ مولوی محمد داؤد صاحب (رکن)

دائرہ عمل

بفضلہ تعالیٰ وعونہ مدرسہ تعلیم القرآن جوان ہو کر اس وقت بحیثیت ہائی سکول قوم کی دینی و دنیاوی خدمات انجام دے رہا ہے۔ مذکورہ مقاصد کے پیش نظر اس میں ادنیٰ سے لے کر دسویں جماعت تک فیس اور کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ یہاں سے فارغ ہونے والے غریب اور نادار طلبہ کو کالج کے تعلیمی اخراجات میں بھی امداد دی جاتی ہے۔ میٹرک کے طلبہ کو مختصر تفصیل اور مکمل ترجمہ قرآن پاک پڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قواعد عربیہ کی مکمل تعلیم عربی مدارس کی طرز پر دی جاتی ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ بوقت ضرورت فارسی، عربی میں آسانی کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔

انتظامی امور

مدرسہ کے انتظامی امور مہتمم و بانی مدرسہ مولوی محمد داؤد کے سپرد ہیں۔ مہتمم کی زیر ہدایت و نگرانی اساتذہ کی ایک کمیٹی مقرر ہے۔ صدر کمیٹی کا انتخاب ادارہ کے فیصلہ سے کیا جاتا ہے۔ صدر کمیٹی اپنی صوابدید سے بقیہ تین افراد خود منتخب کرتا ہے۔ مدرسہ کے اندرونی نظام اس کمیٹی کے سپرد رہتا ہے۔

مصارف:۔

مصارف کے سلسلہ میں مہتمم کے لئے ضروری ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی رقم کی ادارہ سے منظوری لے۔ مدرسین و ملازمین مدرسہ کا عزل و نصب، ترقی، تنزل کا تعلق بھی ادارہ کے ہاتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کام چل رہا ہے۔ اخراجات کی رقوم زیادہ تر اراکین ادارہ ہی پوری کر دیتے ہیں لیکن ٹیکسلا کے عام مسلمان بھی امداد و تعاون سے دریغ نہیں کرتے۔ اس مدرسہ کے طالبعلم چار دفعہ امتحان مڈل یونیورسٹی میں اور دو بار میٹرک کے امتحان میں شریک ہوئے۔ نتائج 80 فیصد اور 100 فیصد تک رہے۔ وللہ الحمد۔

راکین ادارہ و متعلقین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالصتاً بوجہہ اس سلسلہ میں مزید خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کا اجر دنیا میں صرف اپنی خوشنودی اور آخرت میں فوز و فلاح کی صورت میں عطا فرمادیں اور اس کام کو جو صرف اس کے نام پر اس کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے شروع کیا گیا تھا، دنیا طلبی اور ہوس اقتدار کا آلہ بنانے سے پہلے ہی ہماری زندگیاں ایمان پر ختم کر دیں۔ آمین ثم آمین۔

دستخط اردو بقلم خود (محمد داؤد)

دینی نصاب تعلیم:۔

چونکہ سکول اس مقصد کیلئے قائم کیا گیا تھا طلبہ میں دینی رجحان پیدا ہو اور عقائد کی درستگی کے ساتھ انکی عملی اور اخلاقی تربیت بھی کی جائے۔ نیز علوم دینیہ بھی اس حد تک پڑھائے جائیں کہ دین کے تمام شعبوں سے واقفیت پیدا ہو جائے چنانچہ اس نصاب کو خود حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نوراللہ مرقدہ نے ترتیب دیا۔ جس میں درج ذیل مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائی جانے لگیں۔

1) ترجمۃ القرآن:۔

پرائمری تک ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی اور پھر جماعت ششم سے قرآن پاک کا ترجمہ مع ضروری تفسیر شروع کر دیا جاتا۔ سکول میں صبح حمد کے بعد پہلا پیریڈ قرآن مجید کا ہوتا اور اس وقت بڑا روح پرور منظر ہوتا جب پورے سکول میں قرآن پاک کی تلاوت اور ترجمہ سے فضا گونج رہی ہوتی۔

2) حدیث شریف:۔

حدیث شریف کی کتاب "خلاصۃ المشکوٰۃ" مرتبہ حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری صاحب قدس اللہ سرّہ پڑھائی جاتی۔ احادیث کی تشریح اساتذہ آسان اور عام فہم انداز میں کرتے جس سے تمام طلبہ مستفید ہوتے۔ بعد میں منظور احمد نعمانی مدظلہ کی معارف الحدیث جلد اول بھی شامل نصاب کر لی گئی۔

3) فقہ:۔

فقہ کی ابتدائی کتاب "نورالایضاح" پڑھائی جاتی اس کے ختم پر "قدوری" کی تدریس ہوتی۔اردو میں مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تعلیم الاسلام داخل نصاب تھی۔غسل،وضواور نماز کے مسائل یاد کرائے جاتے۔طلبہ آپس میں مسائل کا مذاکرہ بھی کرتے۔

4) اصول فقہ:۔

اصول فقہ کی کتاب اصول االشاشی پڑھائی جاتی تھی۔

5) صرف ونحو:۔

صرف کی کتاب قانونچہ کھیوالی سے صرف کی گردانیں اور صرف کے قواعد وضوابط کاپیوں پرآسان انداز میں لکھائے جاتے اور پھر اس قدر مشق کرائی جاتی کہ طلبہ کو صرف کے مشکل ابواب کی بھی گردانیں ازبر ہو جاتیں۔صرف ونحو کی کتابیں "مراح الارواح"،"ہدایت النحو" کافیہ اور شرح ماۃ عامل پڑھائی جاتیں۔اس کے علاوہ اساتذہ اردو میں بھی نحو کے قوانین اور ضروری معلومات کاپیوں پر نوٹ کراتے اور صرف ونحو دونوں پر کافی مشق کرائی جاتی۔صرف کے مشکل صیغے پوچھے جاتے اور نحو کے قوانین کا استعمال کرایا جاتا۔صفوۃ المصادر بھی پڑھائی جاتی۔

6) منطق:۔

منطق کی دو کتابیں صغریٰ اور کبریٰ داخل نصاب تھیں۔

7) عربی ادب:۔

حکومت کے مروجہ عربی نصابی کتب کے ساتھ ساتھ "دروس الادب" پڑھائی جاتی اور طلبہ کو عربی بول چال کی مشق کرائی جاتی۔

8) فارسی:۔

فارسی میں پندنامہ اور کریما کے علاوہ شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان دونوں کتابیں پڑھائی جاتیں۔گلستان کی حکایات اور بوستان کے اشعار کی تشریح سے طلبہ میں اخلاقی اقدار کو اجاگر کیا جاتا اور ساتھ ساتھ فارسی ادب پر بھی بات چیت ہوتی۔اس کے علاوہ جماعت ہشتم تک حکومت کا مروجہ فارسی کا نصاب بھی پڑھایا جاتا۔ساتویں اور آٹھویں کے ہونہار طلبہ آسانی سے فارسی میں گفتگو کر سکتے تھے۔

درج بالا نصاب پڑھانے کے لئے جید علماء کی خدمات حاصل کی گئیں۔مہتمم صاحب خود بھی کافی عرصہ یہ علوم پڑھاتے رہے۔علمائے کرام میں سے حضرت مولانا نذرالرحمٰن صاحب،مولانا محمد صدیق شہید اور مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قابل ذکر اساتذہ ہیں۔عربی ادب اور صرف ونحو کی تعلیم کیلئے ٹیکسلا ہی کے ایک قابل اور محنتی معلم استاد رحمت دین صاحب مقرر تھے جن کے پڑھانے کا اپنا مخصوص انداز تھا۔خوب محنت اور توجہ سے پڑھاتے اور آموختہ یاد نہ ہونے یا پڑھائی میں کمزوری پر خوب باز پرس کرتے اور سزا دیتے۔چونکہ انتہائی نیک اور متقی تھے اس لئے طلبہ پر ان کا قدرتی رعب بھی تھا۔شہر کے کئی ممتاز افراد جو کبھی ان کے شاگرد رہ چکے ہیں اب بھی جب کبھی ان کا سامنا ہوتا تھا تو رعب وادب والی کیفیت ہوتی اور دل میں ان کا احترام بھی ہوتا۔

سکول کے متعلق حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری کا مشورہ:۔

سکول قائم کرتے وقت اگرچہ اکثر اکابر سے مشورہ کیا گیا تھا اور ان کی رائے کے بعد ہی ادارہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا لیکن درمیان میں ایک مشکل پیش آ گئی کہ اساتذہ میں سے کچھ حضرات تبلیغی جماعت میں تبلیغی کاموں کے لئے کافی وقت فارغ کرتے تھے جو اگرچہ ایک دینی اصلاحی کام تھا لیکن ان کی طویل غیر حاضری کی وجہ سے طلبہ کا تعلیمی حرج ہوتا تھا۔اس سلسلہ میں ان اساتذہ اور تبلیغی بزرگوں سے بات ہوئی تو انہوں نے اپنے کام کی افادیت کو ترجیح دی۔حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے اپنے شیخ اور دور حاضر کے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب نوراللہ مرقدہ سے رابطہ قائم کیا اور سکول کے قیام،اس کے مقاصد اور حالات کو تفصیل سے لکھا اور اس معاملہ میں آپ کی رائے معلوم کی۔حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں کام اچھے اور دین سے متعلق ہیں لیکن تبلیغی خدمت سرانجام دینے والے بہت سے لوگ موجود ہیں اور کام بھی تسلّی بخش ہو رہا ہے لیکن سکول کی لائن میں تو کام کی زیادہ ضرورت ہے۔وہ لوگ جو دین کی طرف متوجہ نہیں ہیں اپنی اولاد کو دنیاوی تعلیم کے لئے سکول بھیجتے ہیں تو ان کو کیوں نہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دی جائے،تربیت ہو اور ایک بہت بڑے خلاء کو پر کیا جائے لہٰذا اس کام کو جاری رکھا جائے۔اس کے بعد حضرت مولانا نے پہلے سے بھی زیادہ جانفشانی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔

برصغیر کے جیّد علماء کا ادارہ سے متاثر ہونا:۔

مدرسہ تعلیم القرآن کو قائم ہوئے جب چار پانچ سال کا عرصہ گذر چکا تو اس کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی ہندوستان سے کئی علمائے کرام اس ادارہ کے نصاب تعلیم اور طرز تدریس کو دیکھنے کیلئے ٹیکسلا تشریف لائے بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بطور خاص صرف اس مقصد کیلئے مدرسہ میں تشریف لائے تفصیل سے نصاب کو دیکھا اور اسے انتہائی مفید قرار دیا مدرسین وطلبہ سے خطاب بھی فرمایا اور بعد میں ٹیکسلا کے مسلمانوں کو بھی اپنے مواعظ سے مستفیض فرمایا۔شاید مہتمم صاحب موصوف نے تاثرات بھی قلم بند کئے ہوں جو راقم السطور کو دستیاب نہیں ہوسکے۔

آپ کے علاوہ پاکستان سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے دلچسپی سے سارے منصوبے کو دیکھا اور سراہا راولپنڈی کے مشہور دینی ادارے مدرسہ تعلیم القرآن کے مہتمم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب چونکہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب سے خصوصی تعلق رکھتے تھے انہوں نے اس ادارہ کے متعلق معلومات حاصل کیں تو بہت خوش ہوئے اور اسی طرز پر ایک ادارہ راولپنڈی میں قائم کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور مولانا موصوف سے ایک قابل مدرس بھی طلب فرمایا جو سکول کے نظام کو اسی طرز پر چلا سکے چنانچہ حضرت نے اپنے ایک معتمد اور قابل مدرس مولانا غلام ربانی صاحب کو اس مقصد کے لئے ان کی خدمت میں بھیجنے کا وعدہ کیا چنانچہ ان کو پنڈی میں صدر مدرس مقرر کر دیا گیا۔اب وہ تعلیم القرآن راولپنڈی والا سکول بھی سرکاری تحویل میں لے لیا گیا ہے۔

سکول کے مالی معاملات:۔

سکول میں طلبہ سے کسی قسم کی فیس اور چندہ وغیرہ نہیں لیا جاتا تھا۔تعلیم مفت اور عام تھی، کسی خاص طبقہ یا مکتبہ فکر کے لئے مخصوص نہ تھی۔بعض نادار اور یتیم طلبہ کو درس کتابیں بھی فراہم کی جاتیں اور بعض مواقع پر ان کو کپڑے بھی دیئے جاتے۔سکول کے مالی معاملات کے ذمہ دار مہتمم صاحب خود تھے۔آمدنی کا مستقل ذریعہ کوئی نہ تھا۔کسی کو خبر نہ تھی کہ رقم کہاں سے اور کدھر سے آتی ہے۔سارا دارومدار توکل اور یقین پر تھا۔سکول کے خازن استاد رحمت دین صاحب تھے اساتذہ کی تنخواہ اور دیگر ضروری اخراجات ان کے ہاتھوں ہوتے تھے۔ریکارڈ میں اندراج بھی وہی کرتے تھے۔ادارہ کے قیام کے بعد سات سال تک آپ ہی خزانچی رہے جب سکول کا ہائی درجہ مکمل ہوا تو پھر یہ ذمہ داری حاجی غلام محمد صاحب کے سپرد کی گئی جنہوں نے آخر تک اس کام کو نبھایا۔

چونکہ سکول کی انتظامیہ، اساتذہ اور تمام معاونین نہایت مخلص اور دیانتدار تھے اس لئے مالی معاملات کے سلسلہ میں کئی حیرت انگیز واقعات بھی پیش آئے مثلاً:

1) ایک دفعہ رقم نہ ہونے کی وجہ سے طویل عرصہ اساتذہ کو تنخواہ نہ مل سکی۔اساتذہ بھی اپنے تقوی اور اخلاص کی وجہ سے حرف شکایت زبان پر نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے اچانک کہیں سے رقم کا انتظام کر دیا اور تمام اساتذہ کو بقایا جات کی ادائیگی کے بعد دو ہزار کے قریب رقم بچ بھی گئی۔

2) ایک دفعہ چند اساتذہ کو تنخواہ کے ساتھ سالانہ ترقی دینے کا فیصلہ کیا گیا جن میں استاد رحمت دین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں تو انہوں نے سالانہ ترقی لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ ادارہ پہلے ہی مالی بحران کا شکار ہے اور ویسے بھی موجود تنخواہ پر ہماری گذر اوقات ہو رہی ہے اسلئے ادارہ پر مزید بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔

3) ایک اور موقع پر سکول کے اخراجات کے لئے کافی رقم کی ضرورت تھی جس میں اساتذہ کی کئی ماہ کی تنخواہ بھی شامل تھی۔حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ اپنے ایک معصوم صاحبزادے کو ساتھ لے کر چاشت کے وقت مسجد تشریف لے گئے، خود بھی صلوۃ الحاجت پڑھی اور بچے سے بھی پڑھوائی۔اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو بہت جلد اللہ کریم نے مالی مشکلات دور فرما دیں۔

4) انتظامیہ کمیٹی میں کئی افراد نے بہت دفعہ مہتمم صاحب سے یہ درخواست کی کہ طلبہ پر فیس عائد کی جائے اگر زیادہ نہ ہو تو اتنی مقدار ضرور ہو جائے جتنی ہر آدمی آسانی سے ادا کر سکے لیکن آپ ہر دفعہ شدت سے انکار فرما دیتے اور آخر تک مفت تعلیم کا سلسلہ ہی قائم رہا۔سکول کی ابتداء سے کچھ عرصہ بعد گذشتہ صفحات میں مذکور شیخ محمد دین صاحب نے بھی انتظامیہ میں شامل ہو کر مالی امداد کا سلسلہ شروع کر دیا اور راولپنڈی کے کچھ متمول افراد کو بھی مالی تعاون پر آمادہ کر لیا تاہم زیادہ انحصار پھر بھی توکل بر خدا تھا۔

مدرسہ تعلیم القرآن کی چند امتیازی خصوصیات اور متفرق حالات:۔

مدرسہ کے حوالہ سے مہتمم صاحب نے ابتداء میں ایک تعارف شائع کیا جس کے صفحہ اول پر اغراض ومقاصد کے ذیل میں تحریر فرمایا۔

"غریب اور نادار بچوں کو مفت تعلیم دلانا، مروجہ تعلیم کے ساتھ پوری دینی تعلیم کا انتظام کرنا، دوران تعلیم ایسی تربیت کرنا اور ایسا ماحول بنانے کی کوشش کرنا کہ طلبہ فارغ ہو کر جہاں خدا اور رسول کے سچے فرمانبردار ہوں وہاں ملک وملت کے بھی سچے خادم ثابت ہوں۔ان مقاصد کے حصول کیلئے ملک کے مختلف حصوں میں ہائی سکولز کی حیثیت میں درسگاہیں قائم کرنا"۔

چونکہ حضرت مولانا موصوف بھی سکول کے روحِ رواں تھے ان کی للّٰہیت اور اخلاص کی وجہ سے مدرسہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ٹیکسلا اور مضافات کے تعلیمی اداروں میں مدرسہ نے منفرد مقام حاصل کر لیا مڈل سٹینڈرڈ کا امتحان تحصیل کی سطح پر نظامت تعلیمات کی طرف سے لیا جاتا تھا جس کے نتائج بہت ہی اچھے اور حوصلہ افزا ہوتے تھے۔ 1962ء میں تحصیل بھر میں راقم السطور پہلے نمبر پر اور برادرم محمد رفیق صاحب دوسرے نمبر پر رہے اسی طرح 1964ء میں بھی میٹرک کے امتحان میں ہم دونوں نے بہت ہی امتیازی پوزیشن سے کامیابی حاصل کی تھی۔ جو صرف اساتذہ کی محنت اور مہتمم صاحب کی دعاؤں اور خلوص کا نتیجہ تھا۔ اس وقت سکول میں زیرِ تعلیم طلباء کی تعداد چھ سو سے زیادہ تھی۔

☆ سکول میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ معقول دینی تعلیم کا انتظام تھا۔ صبح حمد باری تعالیٰ کے بعد پہلا پیریڈ قرآن مجید کی تعلیم کا ہوتا تھا۔ ابتدائی کلاسوں میں ناظرہ اور بڑی کلاسوں میں ترجمہ پڑھایا جاتا تو ایک خوش کن اور روح پرور منظر ہوتا۔ صبح حمد کے وقت اور قرآن پاک کے پیریڈ میں ننگے سر ہونا جرم ہوتا۔ سر کو ڈھکنا ضروری تھا۔

☆ حکومت کی طرف سے موسم گرما میں تین ماہ کی تعطیلات ہوتی لیکن اس ادارہ صرف ایک ماہ یا کچھ زائد چھٹیاں رمضان المبارک میں دی جاتیں تا کہ اساتذہ و طلباء اطمینان سے رمضان شریف گذار سکیں اور اعتکاف بیٹھنے والے طلباء اور اساتذہ کو بھی سہولت رہے۔

☆ طلباء کے بیٹھنے کا انتظام فرشی تھا گرمیوں میں دریاں بچھا دی جاتیں۔ اساتذہ اور طلباء دونوں دریوں یعنی ٹاٹوں پر بیٹھتے تھے۔ سردیوں میں ایک خاص قسم کی خشک گھاس جو مقامی بولی میں "بھبھڑ" کے نام سے مشہور تھی وہ بچھائی جاتی۔ آرام دہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گرم بھی ہوتی تھی اور سردیوں کے اختتام پر اس کو اکٹھا کر کے جلا دیا جاتا تھا۔

☆ گرمیوں اور سردیوں میں سکول میں چھٹی ظہر کی نماز کے بعد ہوتی تھی اور یہ ایک گھنٹہ تفریح کا وقت ہوتا تھا ظہر کی نماز با جماعت سکول کے کمروں اور برآمدوں میں ادا کی جاتی۔ سردیوں میں بعض اوقات دن چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہائی کلاسوں کو عصر کی نماز پڑھوا کر بعد میں چھٹی دی جاتی۔

☆ چونکہ سکول میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی اکثریت مقامی تھی اس لئے شہر کی مختلف مساجد کیلئے طلباء کی جماعت بندی کر دی جاتی اور ایک طالبعلم کو مانیٹر بنا دیا جاتا جو نمازوں میں طلباء کی حاضری لگاتا تھا۔ دوسرے دن نماز میں سستی کرنے والے طلباء سے باز پرس کی جاتی اور عادی مجرم کو سزا بھی دی جاتی۔

☆ طلباء کی اخلاقی تربیت پر بھی توجہ دی جاتی تھی۔ فیشن کرنا اور انگریزی بال بنوانا منع تھا۔ سکول سے باہر بھی ان کی غیر نصابی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاتی تھی۔ غلط اور سوسائٹی اور صحبت اختیار کرنے پر تادیبی کاروائی کی جاتی اور اس رویہ کو والدین بھی بنظر استحسان دیکھتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

☆ اس مدرسہ میں ہمیشہ ہفتہ وار تعطیل جمعۃ المبارک میں ہوتی تھی جب کہ سرکاری اداروں میں اتوار کو۔

☆ موسم گرما میں جب خشک سالی ہو جاتی اور بارشیں رک جاتیں تو مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی طرف سے نماز استسقاء ادا کرنے کا اعلان کیا جاتا جو شہر سے باہر عیدگاہ کے وسیع اور بلند قطعہ اراضی پر ادا کی جاتی تھی۔ شہر کے لوگوں کے علاوہ سکول کے طلباء کو بھی نماز کے لئے بھیجا جاتا تھا جو اساتذہ کی نگرانی میں خوب نظم و ضبط کے ساتھ ایک سیدھی قطار میں روانہ ہوتے۔ عام طور پر قطار کا پہلا سرا عیدگاہ پر پہنچ جاتا جو تقریباً نصف کلومیٹر کے فاصلہ پر تھی اور آخری سرا ابھی سکول میں ہی ہوتا۔ طلبہ راستہ میں آہستہ آہستہ ذکر کرتے جاتے تھے یہ منظر بھی بہت متاثر کن اور روح پرور ہوتا تھا۔ تین دن تک متواتر سنت کے مطابق نماز استسقاء ادا کی جاتی تھی اور عموماً اللہ تعالیٰ کے فضل سے بارش شروع ہو جاتی۔

☆ سکول میں مختلف مواقع پر اکابر علماء اور بزرگ تشریف لاتے رہتے تھے اور نظام کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے کچھ علماء کا ذکر گذشتہ صفحوں میں ہو چکا ہے ہماری یادداشت میں غالباً جب ہم پرائمری میں تھے تو ملک کے مشہور دینی ادارے کٹھالہ شیخاں کے مہتمم حضرت مولانا سلطان محمودؒ جو فتح پور مسجد دہلی کے بھی شیخ الحدیث رہے تھے اور پاکستان کے کئی مشہور علماء کے استاد محترم تھے وہ بھی تشریف لائے تھے اور وعظ بھی فرمایا تھا۔ شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہور نوراللہ مرقدہ اگرچہ تشریف تو نہ لا سکے لیکن ہمہ وقت اپنی دعاؤں سے نوازتے رہے۔

ہفتہ وار بزم ادب کا انعقاد:۔

مدرسہ کے نظام میں ہفتہ وار بزم ادب ہر جمعرات کو منعقد کی جاتی اس پروگرام کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی ہر دفعہ ایک خاص عنوان سے پروگرام منعقد کیا جاتا جس میں طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ مہتمم ساتھ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پروگرام کے انچارج معلم بڑی کلاس کے طلبہ کو ہفتہ کی ابتداء ہی سے مختلف عنوانات پر مضامین تیار کرنے کا حکم دیتے۔ طلبہ ان مضامین کو خود تیار کرتے اور زبانی یاد کر کے پروگرام میں پیش کرتے۔ جمعرات کے دن آخری پیریڈ مختصر کر کے حصہ مڈل اور ہائی کے طلبہ سکول کی دوسری منزل میں جمع ہو جاتے ،طلباء ہی میں سے پروگرام کا سیکرٹری ہوتا۔ تلاوت، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول ﷺ کے بعد طلبہ اپنے اپنے مضامین پڑھتے تھے۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی تعلیم الاسلام چونکہ سوال و جواب کے انداز میں مرتب ہے اس میں سے بھی مختلف فقہی عنوانات پر مضمون دیا جاتا تھا اور دو طلبہ سوال و جواب کی شکل میں وہ پیش کرتے آخر میں مہتمم صاحب کا ایمان افروز خطاب ہوتا۔ خطاب اتنا موثر اور دلچسپ ہوتا کہ اساتذہ اور طلباء ہمہ تن متوجہ ہو کر سنتے اور یہ سب کیلئے یکساں مفید ہوتا۔ زبان سادہ اور دلنشین ہوتی دنیا کی ناپائیداری اور بے

ثباتی کواجاگر کر کے فکر آخرت کی طرف متوجہ کیا جاتا جس سے ہر ایک میں عملی جذبہ کے آثار پیدا ہوتے۔آپ کی شخصیت اور تعلیمات سے متاثر ہو کر سکول کے ایک طالبعلم نے معارف الحدیث کو حفظ کرنا شروع کیا مہتمم صاحب کو معلوم ہوا تو آپ نے بڑی حوصلہ افزائی کی۔بعض دفعہ بزم ادب کے پروگرام کے لئے اساتذہ اور طلباء آپ کے انتظار میں ہوتے آپ تشریف لاتے تو کئی مواقع پر طلباء کے جوتے سیدھے کرتے اور فرماتے کہ شاید ان طلباء میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جائے اور میرے لئے بھی ذریعہ آخرت بن جائے۔

سکول کے متعلق حضرت کے عزائم اور مستقبل کا پروگرام:۔

سکول کا قیام اس مقصد کے لئے کیا گیا تھا کہ طلبہ میں حصول علم کے ساتھ عمل کا جذبہ بھی پیدا ہو۔ان کی اخلاقی تربیت اس طریقہ سے کی جائے کہ وہ معاشرہ میں ایک منفرد مقام کے حامل ہوں اور جب عملی زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ قدم رکھیں تو ہر جگہ دینی اقدار کو اولیت دیں اور معاشرتی برائیوں کو اپنے عمل اور کردار سے دور کرنے کی کوشش کریں۔اسی لئے آپ نے ہر طبقہ کے افراد کیلئے سکول میں داخلہ کو عام کیا تاکہ امیر اور غریب ہر طرح کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں۔ایسے اساتذہ کا تقرر کیا جو کہ دیندار اور متقی لوگ تھے جن کا اپنا عمل طلبہ کیلئے نمونہ بن سکتا۔اس کے علاوہ آپ خود بھی ہونہار اور قابل طلبہ پر نظر رکھتے تاکہ وہ اپنے مقصد سے دور نہ ہوں اور ان پر کی ہوئی محنت ضائع نہ ہو۔

1962ء میں مڈل سٹینڈرڈ کا نتیجہ بہت اچھا رہا تھا، جماعت نہم کیلئے نصابی کتب جب طلبہ کو لکھوائی گئیں تو وہ سائنس مضامین کی تھیں۔طلبہ نے وہ کتابیں خریدیں تو ان میں عربی کی کوئی کتاب نظر نہ آئی تو کم فہمی کی وجہ سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ سائنس مضامین پڑھا کر انہیں عربی اور دینیات سے دور کیا جارہا ہے۔چنانچہ طلباء کے ایک وفد نے مہتمم صاحب اور استاد رحمت دین صاحب سے ملاقات کی اور اپنا اشکال پیش کیا۔مہتمم صاحب نے انتہائی پیار اور شفقت سے طلباء کو سمجھایا کہ بیٹا! تم اصل حقیقت نہیں سمجھے، ہماری دینی تربیت اور عربی دینیات کی تعلیم کیلئے تو قابل اساتذہ بلکہ جید علماء موجود ہیں۔حکومت کے مروجہ آرٹس مضامین پڑھ کر نہ تو تم میں عربی دینیات کی سوجھ بوجھ پیدا ہوگی اور نہ ان سے کچھ دینی فائدہ ہوگا۔سائنس مضامین تو تمہیں ایک خاص مقصد کیلئے پڑھائے جارہے ہیں تاکہ تم یہاں سے میٹرک کر کے کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر و اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی ادارہ میں بطور مدرس خدمت کرو تاکہ مستقبل کیلئے اپنے ہی تربیت یافتہ اساتذہ مل سکیں اور ہمارے مقاصد کی تکمیل میں آسانی ہو۔آپ کے سمجھانے پر طلبہ مطمئن ہو گئے۔

سکول کے متعلق آپ کی اصل منزل یہ تھی کہ اس کا درجہ کالج تک بڑھایا جائے اور کیڈٹ کالج کی طرز پر اس میں بورڈنگ کا نظام موجود ہو، تمام طلبہ کی رہائش کالج کے اندر ہو ان کا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا، رہن سہن اور عبادات شریعت مطہرہ اور سیّد دو عالم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ان کی بہترین تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی اور اخلاقی تربیت کیلئے مخصوص ماحول فراہم کیا جائے جس میں تعلیم و تربیت کیلئے ایک ہمہ وقتی مربوط نظام قائم کیا جائے تاکہ دس بارہ سال ایک خالص دینی ماحول کے اندر رہ کر جب طالبعلم فارغ ہو تو ایک مثالی کردار کا حامل ہو کر ملک و ملت کی خدمت کرے اور ہر ایک کو اپنے اخلاق و کردار سے متاثر کر سکے۔

اس مقصد کیلئے فیصل شہید روڈ پر 13 کنال اراضی حاصل کر لی گئی تھی۔عمارت کا سنگ بنیاد حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی صاحب کے دست مبارک سے رکھوایا گیا۔غالباً 64-1963ء میں عمارت کی تعمیر شروع ہوگئی اور 1965ء تک مطلوبہ کمروں پر مشتمل ایک خوبصورت عمارت تعمیر ہوگئی لیکن افسوس کہ یہ عمارت مذکورہ مقاصد کیلئے استعمال نہ ہو سکی۔دو جون 1965ء کلاسیں اس نئی عمارت میں منتقل ہوگئیں اس دوران شیخ محمد دین صاحب جنہوں نے زمین وقف کر کے یہ عمارت تعمیر کرائی تھی سکول کے بنیادی اصولوں کو تبدیل کرنے کیلئے مہتمم صاحب سے اصرار کرنے لگے تو حضرت نے ان کی تجویز کردہ باتوں کو قبول نہ کیا اور کچھ مہینوں بعد آپ نے رضا کارانہ طور پر مستعفی ہو کر علیحدگی اختیار کر لی یہ غالباً 20 مارچ 1966ء کے کمیٹی کے اجلاس میں فیصلہ کیا۔یہ حضرت مولانا کی للّٰہیت، تقویٰ اور اخلاص تھا کہ اصولوں پر سمجھوتہ نہ کیا اور بارہ سال کی کی ہوئی محنت کا ثمر نئی انتظامیہ کے جھولی میں ڈال دیا اور خود قربانی دے دی۔

پُرخلوص جدوجہد کے ضائع نہ ہونے کی دلیل اور عملی ثبوت:۔

بظاہر یہ سلسلہ ختم ہو گیا لیکن رب العزت کے علم میں تھا کہ تقریباً دس سال بعد یہ ادارہ حکومت عمارت سمیت اپنی تحویل میں لے لے گی اور اصل مشن تب بھی ختم ہی جائے گا۔جیسا کہ "رجال کار کی تیاری" کے عنوان نے اختصاراً ذکر کیا گیا ہے اللہ جل شانہٗ نے اپنے مقبول بندے کی سعی و کوشش باقی رکھنے کے لئے تقریباً چودہ پندرہ سال بعد اسی پرانی عمارت میں جو شہر میں واقع تھی "تعلیم الاسلام ہائی سکول" کے نام سے ادارہ شروع ہونے کا انتظام فرمادیا۔اس ادارہ کی ابتداء انجمن شبان اسلام ٹیکسلا نے اپنے زیر انتظام 1977ء کے اواخر میں کی جس کے امیر جناب حافظ محمد رفیق صاحب اور ناظم اعلیٰ راقم السطور صلاح الدین فاروقی تھے جن کو 1964ء میں میٹرک کے بعد مہتمم صاحب نے بجائے پولی ٹیکنیک کالج کے داخل ہونے کے جو ان دونوں کے معاشی حالات کیلئے ضروری تھا، گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں داخل ہو کر ایف ایس سی / بی ایس سی وغیرہ کر کے واپس آ کر اپنے مادر علمی

میں تدریس کا حکم فرمایا تھا۔اس وقت بظاہر وہ مقصد پورا نہ ہوسکا۔مدرسہ پہلے مقصد سے ہٹا پھر سکول بن کر نیشنلائز ہوگیا، ہم دونوں ہم جماعت نوکریوں میں مصروف ہوگئے لیکن حضرت مولانا کی پرخلوص خواہش " کرامت " کی شکل میں پوری ہوئی۔غیب سے اسباب پیدا ہوئے ، ہمارا سکول پہلے کرایہ کی پرانی سی جگہ میں شروع ہوا تو اس دوران اللہ تعالیٰ نے مدرسہ والی پہلی عمارت قابضین سے واگزار کرادی اور اس عمارت میں ہی ہم دونوں مرکزی منتظم اور ٹیچر بن گئے اور تربیت کیلئے بھی کچھ دال دلیا ہوتا رہا" گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است "اس سکول میں سو فیصد نہ سہی دس بیس فیصد وہی ماحول بن گیا اور طلبہ کی عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی و روحانی تربیت کا عملی انتظام ہوگیا۔یہ ادارہ بھی تقریباً 25 سال ہی مصروف عمل رہا اور ہزاروں طلبہ وطالبات یہاں سے فیض یاب ہوئے اور معاشرے پر اس نے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

اگر صرف فروغ تعلیم کے مقصد کو مدنظر رکھا جائے تو اس ادارہ کے جڑواں سکول "اسلامیہ مڈل سکول "اور "اشاعت الاسلام پرائمری سکول" بھی کافی عرصہ چلتے رہے اور اب بھی انہیں سکولوں کے فیض یافتہ طلبہ "مشعل سکول سسٹم "اور" دانش پبلک سکول" کے نام سے فروغ تعلیم میں مصروف ہیں جن میں قرآن وحدیث کی کچھ نہ کچھ تعلیم بھی لازمی ہے جو یقیناً حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی ہی صدقات جاریہ ہیں۔

" سکول میں علوم اسلامیہ پڑھانے والے چند اساتذہ کا تعارف "

کسی ادارہ کا انتظام خواہ کتنا ہی بہترین ہو اور منتظم کتنی ہی صلاحیتوں کا مالک ہو بہرحال طلبہ کو زیور تعلیم سے آراستہ اساتذہ کا ہی کام ہوتا ہے اور سکول کے مقاصد کو اجاگر کرنا اور انتظامیہ کے مشن کی تکمیل میں اساتذہ ہی کا کردار ہوتا ہے۔اس لئے چند معروف اساتذہ کا تعارف کرایا جاتا ہے کہ اس کے بغیر یہ موضوع نامکمل رہے گا۔

1) قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ:۔

آپ ٹیکسلا سے پانچ چھ میل دور شمال میں واقع مشہور علمی قصبہ بھوئی گاڑ کے رہنے والے تھے، والد ماجد کا نام حبیب الرحمٰن تھا جو وہاں کے علمی خاندان سے متعلق تھے۔قاری صاحب سکول کے اولین مدرس تھے جن کو 80 روپے مشاہرہ پر تدریس قرآن کیلئے مقرر کیا گیا جو اس وقت کے لحاظ سے ایک معقول معاوضہ تھا۔تقریباً دو سال تک آپ واحد مدرس تھے اور سکول میں داخلہ، تدریس اور دیگر امور آپ کے ذمہ تھے آپ چونکہ علم تجوید بھی حاصل تھا اس لئے بڑے اچھے قاری تھے اور اللہ تعالیٰ نے حسن صوت کے ساتھ حسن صورت بھی عطا کیا ہوا تھا۔ٹیکسلا شہر تبلیغی جلسوں میں آپ ہی کی تلاوت کلام سے تقاریر کا آغاز ہوتا تھا۔آپ ٹیکسلا شہر کے وسط میں مسجد بابا جیون میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔تقریباً بیس سال تک آپ نے امامت وتدریس کی۔حضرت مہتمم صاحب کے سکول انتظامیہ سے علیحدگی کے بعد آپ بھی مستعفی ہوگئے اور کچھ عرصہ بعد ٹیکسلا سے ایبٹ آباد چلے گئے اور 1989ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔آپ کے تین بیٹے غیاث الدین، نصیر الدین اور مغیث الدین ہیں۔

2) استاد غلام ربانی صاحبؒ:۔

آپ کا اصل وطن حویلیاں کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں بانڈا باز دار تھا آپ کے والد ماجد مولوی محمد یاسین صاحب غالباً 1880ء میں ٹیکسلا کے محلہ مکراں میں امامت کیلئے تشریف لائے اور یہیں رہائش اختیار کر لی استاد غلام ربانی صاحب کی پیدائش 1900ء میں ٹیکسلا میں ہی ہوئی۔مڈل تک تعلیم حاصل کر کے کچھ دینی کتابیں پڑھنے کے بعد درس وتدریس کے شعبہ سے منسلک ہوگئے۔سکول کے قیام کے کچھ عرصہ بعد مہتمم صاحب کی ایماء پر سکول سے وابستہ ہوگئے اور اپنے سابقہ تجربہ کی وجہ سے یہاں کے ماہر اساتذہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔کچھ عرصہ بعد شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب نے جب راولپنڈی میں ادارہ قائم کیا تو مہتمم صاحب سے کسی ماہر اور منتظم مدرس کی فرمائش کی تو انہوں نے آپ کی خدمات شیخ القرآن کے سپرد کر دیں۔وہاں پر آپ ان کے ادارہ کے صدر مدرس اور جملہ امور کے نگران مقرر کر دیئے گئے۔سات سال تک وہاں خدمت کی تو مہتمم صاحب نے دوبارہ آپ کو واپس بلوالیا اور یہ بھی مہتمم صاحب کی علیحدگی تک تدریس کرتے رہے۔آپ ابتداء میں جماعت اسلامی کے ہم خیال تھے لیکن جب جماعت کے بانی مولانا مودودی صاحب کی کتاب " خلافت وملوکیت " شائع ہوئی تو پڑھ کر انکے سخت خلاف ہوگئے اور پھر حسب موقع مثبت طور پر ان عقائد کا دفرماتے رہے آپ نے درویشانہ زندگی بسر کی۔حرص وہوس اور آلائش دنیا سے کوسوں دور تھے۔26 جون 1970 بروز جمعۃ المبارک انتقال فرمایا اور ٹیکسلا ہی میں تدفین ہوئی۔پسماندگان میں پانچ بیٹے مولانا عبدالماجد صاحب، عبدالخالق ہاشمی، عبدالرؤف عباسی صاحب، محمد زبیر اور عمر فاروق ہیں۔ان کے علاوہ دو بیٹے آپ کی حیات ہی میں وفات پا گئے تھے۔آپ کے ایک بیٹے اور دو پوتے اب بھی خدمت دین میں مصروف ہیں۔

3) استاد رحمت دین صاحبؒ:۔

آپ 1917ء میں ٹیکسلا ہی میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔سکول کی ابتدائی تعلیم کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے ، فقہ کی کتابیں حکیم محبوب عالم صاحب اور ترجمۃ القرآن اور احادیث شریف مولانا حکیم محمد جان صاحبؒ سے پڑھی۔صرف ونحو کی کتابیں آپ کو حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے پڑھائیں گویا آپ نے ہر سہ برادران سے فیض

حاصل کی اوران کے علوم کے امین ہوئے۔ آپ مدرسہ تعلیم القرآن کے ابتدائی مدرسین میں سے تھے ،تقریباً گیارہ سال خزانچی بھی رہے۔ آپ خودفرماتے تھے کہ میں نے فارسی کسی سے سبقاً نہیں پڑھی تھی جب مہتمم صاحب نے یہ مضمون میرے حوالے کیا تو ان کی رہنمائی سے اللہ کا نام لے کر پڑھانا شروع کر دیا۔ اب یہ ان کی کرامت تھی کہ پڑھانے میں مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی اور گلستان، بوستان جیسی کتابیں آسانی سے پڑھا دیں۔ آپ متقی اور نیک شخص تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرتی رعب و دبدبے سے بھی نوازا تھا اور تمام طلبہ خواہ وہ بڑے بڑے امیر اور بااثر لوگوں کی اولاد تھے آپ سے بہت ڈرتے تھے۔ آپ نے مہتمم صاحب کے شیخ طریقت امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ سے 1960ء میں بیعت طریقت کی اور بعد میں ان کی جانشین امام الہدیٰ مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ سے اسباق لیتے رہے۔

آپ نے چودہ سوہجری میں حج کی سعادت حاصل کی اور بعد ایک عمرہ مہتمم صاحب کے ساتھ کیا آپ کی وفات ـــــہ میں واہ کینٹ اپنی رہائش گاہ پر ہوئی اور تدفین ٹیکسلا کے قدیم ہنجیرہ قبرستان میں کی گئی جہاں آپ کے استاد اور محسن مولانا محمد داؤد صاحبؒ مدفون ہیں۔

4) استاد حضرت مولانا نذرالرحمٰن صاحب مدظلہ:۔

تبلیغی جماعت کے عالمی مرکز رائیونڈ میں پرانے بزرگوں میں حضرت مولانا کا شمار ہوتا ہے۔ آپ ضلع راولپنڈی کے تھانہ چونترہ کے ایک گاؤں بلاول کے رہنے والے تھے آپ 1929ء میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام حافظ محی الدین تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے پرائمری سکول سے حاصل کی اور پھر دینی تعلیم کیلئے پنڈی گھیب گئے جہاں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بقیہ تعلیم ضلع گجرات کے مشہور قصبہ "انّہی" کی درسگاہ میں مکمل کی اور دورہ حدیث کٹھالا شیخاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سلطان محمود صاحب سے کیا۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے علاقہ میں ہی دینی خدمت میں مصروف ہوگئے ، بعد میں بھوئی گاڑ کے علمی مرکز میں تدریس فرماتے رہے۔ مہتمم صاحب نے آپ کو مدرسہ تعلیم القرآن میں درس نظامی کی کتابیں پڑھانے کیلئے درخواست کی جو آپ نے قبول کر لی غالباً 1954 میں آپ نے مدرسہ میں تدریس شروع کی۔ چونکہ کا آپ کا طبعی رجحان تبلیغی جماعت کی طرف زیادہ تھا اور تدریس کے دوران وقت لگانے کیلئے چھٹیاں کرتے جس کی وجہ سے طلبہ کی تعلیم میں حرج واقع ہوتا۔ اس وجہ سے آپ غالباً 59-1958 میں ایک سال تبلیغ میں لگانے کیلئے سکول سے مستعفی ہوگئے اور پھر 1972ء سے رائیونڈ مرکز میں مقیم ہوگئے۔ آپ کے تین بیٹے ہیں جن میں سے بڑے مولانا عبدالرحمٰن صاحب عالم فاضل ہیں اور تدریس و تبلیغ کے کام میں تبلیغی مرکز راولپنڈی میں ہی مصروف عمل ہیں۔

استاد مولانا خلیل الرحمٰن صاحب:۔

آپ ضلع ایبٹ آباد کے موضع سج کوٹ کے رہنے والے ہیں والد ماجد کا نام میاں احمد تھا۔ آپ 1920ء میں پیدا ہوئے ، پرائمری پاس کرنے کے بعد قریبی دینی مدرسہ میں اپنے استاد عبدالرحمٰن صاحب سے ابتدائی فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد حویلیاں کے قریب ایک گاؤں بانڈی عطائی خان نے مولانا محمد حلیم صاحب سے گرائمر اور منطق کی کتابیں پڑھیں اور موقوف علیہ تک کتابیں ملہوالی کے استاد الکل مولانا نور محمد صاحب سے پڑھیں کچھ عرصہ انّہی میں مولانا ولی اللہ سے بھی پڑھا۔ آپ نے بھی دورہ حدیث کٹھالاں شیخاں میں مولانا سلطان محمود صاحبؒ سے کیا۔ دورہ تفسیر میں مولانا غلام اللہ خان صاحب شرف تلمذ حاصل ہے۔

1951ء میں دینی علوم سے فراغت کے بعد "بھیں ضلع چکوال" میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا، ساتھ ہی امامت و خطابت کی ذمہ داری بھی پوری کی اور 1959ء تک وہاں رہے۔ مئی 1959ء سے 1966ء تعلیم القرآن ہائی سکول میں تدریس کی خدمات انجام دیں اور ساٹھ سال کی عمر میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

مذکورہ قابل قدر علمائے کرام کے علاوہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شہیدؒ اور استاد روشن دین صاحبؒ، استاد مولوی بوستان صاحب، ہیڈ ماسٹر بہزاد صاحب، استاد محمد یوسف صاحب، ماسٹر اورنگزیب صاحب اور ماسٹر محمد اسلم صاحب وغیرہ اساتذہ میں بہت محنت اور خلوص کے ساتھ معمولی معاوضوں پر خدمات انجام دیں اور اپنے خون جگر پلا کر طلباء کو عام تعلیمی اداروں میں بہت اچھی تعلیم دی اور اسی وجہ سے طلباء امتحانات میں شاندار کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے ابتدائی فضلاء:۔

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے باقاعدہ عصری تعلیم کی کلاسیں 17 جون 1953ء کو ختم نبوت کے حوالہ سے جاری احتجاجی تحریک ختم ہونے کے بعد شروع ہوئیں جو غالباً تیسری، چوتھی جماعت تک تھیں۔ پہلی کلاس کا سرکاری بورڈ کے تحت میٹرک کا امتحان 27 فروری 1959ء کو شروع ہوا اور 5 مارچ کو پیپر ختم ہوئے، سائنس کا پریکٹیکل امتحان بعد میں ہوا اس پہلی کلاس میں قابل ذکر طلباء مولانا مسعود الرحمٰن صاحب، عبدالخالق عباسی صاحب، نور الٰہی اعوان صاحب، میر شوکت محمود صاحب، عطاء محمد صاحب اور ماسٹر صغیر حسین صاحب تھے۔ اسی طرح اگلے سال یعنی 1960ء میں میر سلیم اختر صاحب، شیخ جاوید محمد صاحب، مطلوب بھٹی صاحب، علامہ غلام مصطفٰی صاحب اور استاد غلام جیلانی صاحب وغیرہ

تھے۔ان میں سے تقریباً آٹھ دس طلبہ نے مختلف کالجوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور معاشرے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔1965ءتک ہائی درجہ کی کلاسیں پرانی عمارت سے ہی میٹرک کا امتحان دیتیں رہیں۔راقم السطور اور حافظ محمد رفیق صاحب نے 1964ء میں امتیازی نمبروں سے سائنس مضامیں میں میٹرک پاس کر کے گورنمنٹ ڈگری کالج اصغر مال راولپنڈی میں ایف ایس سی کلاسوں میں داخلہ لیا۔

مدرسہ کی نئی عمارت میں منتقلی اور نظام کی تبدیلی:۔

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ اس عمارت میں منتقلی کے بعد انتظامی معاملات میں اختلاف رائے کی وجہ سے مہتمم صاحب الگ ہوگئے اور پھر مدرسہ کی بجائے اب سکول کا انتظام چلانے کیلئے 29اپریل1966ءکو"انجمن تعلیم القرآن ٹیکسلا" بنا کر باقاعدہ حکومت سے رجسٹریشن کرائی گئی جس کے صدر شیخ محمد دین صاحب، نائب صدر میر محمد شفیع صاحب، سیکرٹری شیخ صوفی خالد محمود صاحب، خازن نور الٰہی اعوان صاحب، پبلسٹی سیکرٹری میر سلیم اختر اور ممبران مجلس عاملہ حاجی ملک محمد سلیمان صاحب اور ملک محمود الحسن صاحب (راولپنڈی) تھے۔
بھٹو حکومت کے دور میں سکول کو نیشنلائز کر لینے تک یہ نظام چلتا رہا۔اس عمارت اور شہر میں موجود"دھرم شالہ"میں موجود پرائمری حصہ پر حکومت نے قبضہ کر لیا البتہ مرکزی مسجد سے ملحق اصل بنیادی عمارت کو انجمن کے سیکرٹری صاحب نے اپنی ملکیت قرار دے کر حکومت کی تحویل میں جانے سے بچالیا جسے 80-1979ء میں مارشل لاء حکام کے ذریعے ایک خاص حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ہم نے قابض موصوف سے قبضہ ختم کروا کر کے بھولی بسری"انجمن تعلیم القرآن ٹیکسلا" کو بحال کروادیا اور ان کی تحویل میں دلوادیا۔جنہوں نے وہاں"اسلامیہ سکول"کے نام سے تعلیمی ادارہ شروع کر دیا جو 1981ء میں انجمن شبان اسلام کے ساتھ کچھ شرائط کے تحت معاہدہ کے بعد"تعلیم الاسلام ہائی سکول"کے نام سے 2005ءتک مصروف عمل رہا جبکہ حکومت نے تحویل شدہ عمارتوں میں جو سکول بنائے ہیں وہ سرکاری سکولوں کے طور پر مصروف عمل ہیں۔

تصوف کے سلسلہ قادریہ راشدیہ کا فروغ

تصوف کے سلسلہ " قادریہ راشدیہ " کا آغاز:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ خود تو امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے دہلی سے واپسی پر بیعت ہو کر پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سلسلہ قادریہ میں داخل ہو چکے تھے۔اس دوران امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ واہ کینٹ میں غالباً 57-1956ء میں وعظ و نصیحت کیلئے تشریف بھی لائے تھے،اس موقع پر اور بعد میں استاد رحمت دین صاحب کی خود نوشت کے مطابق 1960ء میں راولپنڈی میں مولانا موصوف نے قریبی ساتھیوں کو حضرت لاہوریؒ سے بیعت کرایا ان خوش نصیب افراد میں راقم االسطور کے والد ماجد بھی شامل تھے جو اپنے دو قریبی ساتھیوں اور پیر بھائیوں منشی غلام محمد صاحب اور حاجی محمد اقبال صاحب کے ہمراہ تا حیات اپنے روحانی مرکز شیرانوالا لاہور سے وابستہ رہے اور بلا ناغہ حاضری بھی دیتے رہے۔

حضرت لاہوریؒ کے فروری 1962ء میں وصال کے بعد جنوری 1963ء میں راقم السطور بھی اپنے بچپن کے محلّہ دار دوست قاری عبدالحمید صاحب جو اب امام الہدیٰ مولانا عبیداللہ انور صاحب جانشین شیخ التفسیر کے خلیفہ مجاز ہیں کے ہمراہ مسجد بابا قلندر لوسر شرفو نزد واہ کینٹ میں امام الہدیٰ سے بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوا۔اور الحمدللہ تا حال اسی سلسلہ " قادریہ راشدیہ " کے ایک " بے عمل سالک " کی حیثیت سے ہی سہی وابستگی جاری رکھے ہوئے ہے۔

ہفتہ وار سلسلہ کی مجلس ذکر:۔

اپنے شیخ و مرشد کے معمول کے مطابق حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے ہفتہ وار جہری طریقہ سے مجلس ذکر کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا۔ہم نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو یہ سلسلہ جاری تھا۔ذکر میں کامل توجہ کیلئے مولانا موصوف شہر سے باہر قلیل آبادی والے " محلّہ پڑی " کی مسجد میں بعد مغرب یہ مجلس ذکر منعقد کراتے جس میں ہم چار، پانچ دوست بھی شرکت کرتے تھے حالانکہ وہ ہمارا بچپن کا دور تھا الحمدللہ وہ سلسلہ تا حال کسی نہ کسی شکل میں جاری و ساری ہے بلکہ صرف ایک جگہ نہیں تین چار مقامات پر ہفتہ وار مجلس ذکر ہوتی ہے۔طویل عرصہ ماہانہ پروگرام بھی ہوتے رہے اور اب بھی ہفتہ وار کے ساتھ ساتھ پندرہ روزہ بڑی مجلس ذکر بھی " جامع مسجد نفیس گلی لوہسر یاں بالمقابل مغل مارکیٹ ٹیکسلا " میں جاری ہے جس میں خصوصی طور پر امام الہدیٰؒ کے خلیفہ مجاز حضرت قاری عبدالحمید صاحب راولپنڈی سے تشریف لا کر شرکت فرماتے ہیں۔

گمراہ کن نظریات کا تعاقب اور نوجوان نسل کی ذہن سازی و تربیت

دینی وسیاسی جماعت جمعیت علمائے اسلام کی تشکیل:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے اپنے شیخ طریقت حضرت لاہوریؒ کی امارت میں آل پاکستان "جمعیت علمائے اسلام" کے نام سے قائم شدہ دینی وسیاسی جماعت کی باضابطہ ٹیکسلا شاخ 25 اکتوبر 1966ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء تشکیل دے کر پہلا اجلاس مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں منعقد کیا جو سال تشکیل سے لیکر آج تک مصروف عمل ہے۔تفصیل اسی عنوان سے آگے آرہی ہے۔

انجمن شبان اسلام ٹیکسلا کا قیام:۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے فیض یافتہ طلبہ نے 1964ء میں نوجوانوں پر مشتمل تبلیغی مقاصد کے لئے اس انجمن کا قیام عمل میں لایا۔اس کی تفصیلات بعد میں درج کی جائیں گی۔

جماعت ربّانی کا قیام:۔

جب صدر محمد ایوب خان کے دور میں جمعیت علمائے اسلام پر پابندی لگ گئی تو حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں 6 مئی 1966ء کو جماعت ربّانی کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس کے اراکین مولانا محمد داؤد صاحب،مولانا محمد صدیق صاحب،مولانا کرم خان صاحب (ملھوڈھیری)،استاد مولانا علاؤالدین صاحب،استاد روشن دین صاحب،استاد رحمت دین صاحب،محمد ظہور صاحب،محمد تاج صاحب،محمد یونس صاحب (ڈھبیاں)،صوفی محمد یونس صاحب (موہڑہ ملیاراں) وغیرہ تھے۔اس جماعت کا صدر استاد علاؤالدین صاحب کو اور خازن صوفی محمد یونس صاحب کو بنایا گیا اور ہر جمعہ کو ہفتہ وار اجلاس مذکورہ مسجد میں ہی قرار پایا۔

ذہن سازی کے لئے اقدامات:۔

محسن ٹیکسلا حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے جیسا کہ گذر چکا ہے کہ شہر میں دینی،تعلیمی،اخلاقی،معاشرتی،سیاسی انقلاب کیلئے حسب الاستطاعت ہمہ نوع اقدامات کئے۔ 1982ء میں انصار المسلمین کے عسکری کام کے اختتام پر نئے لائحہ عمل کے مطابق سرگرمیاں شروع کردیں۔اپنی مسجد کے علاوہ محلّہ عیدگاہ میں ہفتہ وار درس شروع کیا درس میں شرکت کرنے والے نوجوانوں کے گروپ بنا کر شہر کی مساجد کی صفائی کا کام بھی کرواتے،مساجد میں قرآن مجید کی تعلیم و بنیادی مسائل سے آگاہی کیلئے بھی مختلف انداز میں کوشش کرتے جامع مسجد مین بازار میں خطبہ جمعہ شروع کرنے سے قبل موجودہ مسجد اہلحدیث میں بھی خطبہ دیتے رہے۔

تعلیم یافتہ اور مڈل ہائی کلاسوں کے باشعور طلباء اور نوجوانوں کی عقائد کی تصحیح اور اخلاقی تربیت پر بھی پوری توجہ دیتے،آسان اور قابل فہم اسلامی لٹریچر بھی مطالعہ کیلئے فراہم کرتے۔ اپنے شیخ طریقت حضرت لاہوریؒ کا جاری کردہ ہفت روزہ مذہبی آرگن "خدام الدین" باقاعدگی سے منگوا کر تقسیم کیا جاتا جو 1955ء سے شائع ہونا شروع ہوا اور اس کے بعد 1957ء سے اشاعت پذیر ہونے والا ہفت روزہ جماعتی رسالہ "ترجمان اسلام" جو مذہبی تعلیمات کے علاوہ سیاسی معلومات اور جمعیت علمائے اسلام کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا وہ بھی مستقل طور پر جاری کرا کے جماعتی کارکنوں اور نوجوانوں کو فراہم کیا جاتا تاکہ معلومات کے ساتھ ساتھ اضافہ کے ساتھ مثبت اور مفید ذہن سازی بھی ہوتی رہے اسی طرح تنظیم اہلسنت پاکستان کی طرف سے شائع ہونے والا ہفت روزہ "دعوت" بھی پورے اہتمام سے منگوا کر متعلقین کو دیا جاتا تاکہ عقائد کی اصلاح ہو سکے۔ان رسائل کے علاوہ مختلف موضوعات پر اکابر کی تصنیفات بھی مطالعہ کیلئے دی جاتیں۔

گمراہ کن نظریات کا تعاقب:۔

گزشتہ صفحات میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے اپنے شیخ طریقت ومرشد حضرت لاہوریؒ کی اتباع میں ان کے طریقہ کار کے مطابق ایسے گمراہ کن فتنوں کا تعاقب حسب ضرورت جاری رکھا اور ان کا زور ٹوٹنے کے بعد معمول کی مصروفیات میں لگ گئے بالخصوص سکول کے معاملات جو کہ عظیم ترین مقصد کی تکمیل میں مصروف تھا۔سکول میں داخلہ کیلئے مسلک کی کوئی پابندی نہیں تھی۔شیعہ حضرات کی اولاد بھی کافی تعداد میں زیر تعلیم تھی۔اسی طرح تدریسی سٹاف میں جماعت اسلامی کے نظریات کے حامل اساتذہ بھی تھے بلکہ کچھ روشن خیال بھی۔اگرچہ ایسے اساتذہ پر کڑی نظر رکھی جاتی کہ وہ اپنے نظریات کو طلبہ میں نہ پھیلائیں لیکن تنگ نظری و تعصب نہیں برتا جاتا تھا۔

شہر کے ماحول میں بھی خاکسار تحریک کے اثرات اور شیعہ سنی مناقشت کمزور پڑ گئی تھی البتہ قریبی دفاعی ادارہ پی او ایف واہ کینٹ چونکہ ہر قسم کے خیالات ومسالک کے ملازمین پر مشتمل تھا،ان میں سے مختلف منظّم جماعتوں کے کارکن اپنے مخصوص نظریات کے فروغ اور پرچار کیلئے تمام ذرائع استعمال کرنے لگے تھے خصوصاً لٹریچر کی تقسیم،کتابوں،کتابچوں اور ہفتہ وار وماہوار جرائد کی ذریعے۔اسی طرح انفرادی ملاقاتوں اور مخصوص اجتماعات منعقد کرکے۔مولانا مودودی صاحب کی جماعت اسلامی اس معاملے میں سب سے زیادہ متحرک تھی اور سیاسی طور پر صدر محمد ایوب خان صاحب کی مخالف تحریک میں بھرپور کردار ادا کرنے کی وجہ سے عوام نے مقبول ہونے لگی تھی۔اسلامی ذہن رکھنے والا نوجوان طبقہ ان وجوہات کی بناء پر متاثر ہو کر جماعت کے پیغام اور نظریات کو گردونواح میں پھیلانے میں مصروف ہوگیا۔بالخصوص مزکورہ ادارہ کے ملازمین میں۔مذہبی لحاظ سے چونکہ مولانا

موصوف کے عقائد وخیالات گمراہ کن تھے جن کی ایک جھلک آگے ذکر کی جائے گی۔تو مسلمان نوجوانوں کو گمراہی سے بچانے کیلئے مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے بھی قدم اٹھایا اور اپنے شیخ کے شائع کردہ کتابچہ "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" اور اسکے علاوہ اپنے استاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی اس موضوع پر کتب منگوا کر متعلقین کو مطالعہ کیلئے فراہم کیں اور تبلیغی اجتماعات میں بھی مثبت انداز سے ان نظریات کا ابطال کیا۔قارئین کو اس جماعت کی حقیقت اور قائد جماعت کے نظریات سے آگاہی کیلئے اجمالی طور پر چند سطور تحریر کی جاتیں ہیں۔

جماعت اسلامی اور بانی جماعت کے نظریات:۔

جماعت اسلامی چھبیس اگست 1941ء کو بنائی گئی جس کے مقاصد مسلمانوں کی صحیح دینی تربیت اور انہیں عقائد،ثقافت،تہذیب وغیرہ امور میں سچے مسلمان کا نمونہ بنانا تھا۔ پٹھانکوٹ کے ایک رئیس نے اپنی زمین کا بہت بڑا رقبہ "دارالاسلام" کے نام سے وقف کر دیا۔مولانا مودودی صاحب 1942ء سے وہاں مقیم ہوگئے اور 1945ء میں وہاں کل ہند اجلاس بھی منعقد کیا۔برصغیر کے کافی علماء مذکورہ مقاصد کیلئے اس اجتماع میں شریک ہوئے۔تقسیم کے بعد مولانا موصوف لاہور منتقل ہو گئے اگر چہ مولانا مودودی صاحب مذکورہ اجلاس میں یہ اعلان کر چکے تھے کہ

"ہمارا ایمان ہے کہ اس دعوت اور طریقہ کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہ ہائے کار سراسر باطل ہیں" (چراغ محمد صفحہ 612)

یہ ویسا ہی دعویٰ تھا جو اس سے پہلے علامہ مشرقی 1935ء میں کر چکے تھے لیکن شامل ہونے والے علماء "خوش فہمی" میں رہے لیکن جب 1951ء میں اپنے سابقہ اعلان کردہ مقاصد سے ہٹتے ہوئے جماعت نے الیکشن میں حصہ لیا اور عوام وعلماء کی اکثریت نے ساتھ نہ دیا اس لئے کہ یہ مولانا کے ابتدائی موقف کی سراسر خلاف ورزی تھی تو مولانا مودودی صاحب نے تمام مسالک کے علماء وقائدین کے خلاف ایسی "گوہر افشانی" کی کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں (حوالہ کے لئے کتاب جماعت اسلامی کا مقصد صفحہ 105,106) اور جو لوگ اور علماء اب تک "خوش فہم" تھے سب الگ ہوگئے۔چنانچہ 1951ء میں ہی علمائے ہند کے تمام مکاتب فکر کا متفقہ فیصلہ بنام "فتنہ مودودیت" شائع ہوگیا۔

اگر چہ اس سے پہلے ہی صاحب بصیرت مشائخ عظام اور علمائے کرام نے ابتداء میں ہی خطرے کی بو سونگھ لی تھی لیکن جب مولانا موصوف نے مزکورہ قلابازی کھانے کیلئے علاوہ اپنے کتابوں میں درج ذیل خیالات ونظریات کو بیان فرمایا تو ان کی حقیقت اور کھل کے سامنے آگئی۔

1) رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔(جماعت اسلامی کا دستور نمبر 6)

2) عصمت (گناہوں سے پاک ہونا) انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں (تفہیمات حصہ دوم صفحہ 42)

3) حضرت یونسؑ سے فریضہ رسالت کی تبلیغ میں کوتاہیاں ہوئیں (تفہیم القرآن)

4) حضرت موسیٰؑ سے نبوت سے پہلے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا (رسائل ومسائل حصہ اول صفحہ 28)

5) جہاں مردوں اور بنی ٹھنی عورتوں کے ملنے جلنے کا موقع ملتا ہو ایسی جگہ زناء کی شرعی سزا جاری کرنا بلاشبہ ظلم ہوگا (تفہیمات حصہ دوم صفحہ 281)

(6) حضور ﷺ کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا اندیشہ صحیح نہیں تھا (ترجمان القرآن فروری 1946)

انہیں خیالات کی بنیاد پر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے فرمایا تھا کہ "مودودی صاحب کی دستور نمبر 6 اور اس کا عقیدہ نہایت غلط اور مخالف قرآن وحدیث اور مخالف عقائد اہلسنت و الجماعت ہے جس سے اسلام کو انتہائی ضرر اور نقصان عارض ہوتا ہے،لوگوں کو اس سے احتراز ضروری ہے"۔(مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت) اور حضرت لاہوریؒ نے اپنی مذکورہ کتاب میں لکھا کہ "میں نے مودودی صاحب کی کتابوں میں دیکھا کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول کے بعض بنیادی اصولوں کی توہین کرتے ہیں" نیز "مودودی صاحب محمدی اسلام کا ایک ایک ستون گرا رہے ہیں"،"مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں"۔

یہ اقتباسات "نمونہ از خروارے" ہیں۔تفصیل جاننے کیلئے مذکورہ کتب کے علاوہ بہت سے تصنیفات موجود ہیں جو دیکھی جا سکتی ہیں۔

جماعت اسلامی ٹیکسلا شہر:۔

جہاں تک راقم السطور کو یاد ہے ٹیکسلا شہر میں بااثر لوگوں میں سے غالباً الحاج شیخ کرم الٰہی صاحب جو مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے مولانا مودودی کی کتابوں سے متاثر ہوئے اس لئے وہ خود اور ان کے بڑے صاحبزادے شیخ خدا بخش صاحب مرحوم جماعت اسلامی کا پیغام پھیلانے میں مصروف ہوئے۔ان کے علاوہ محدودے چند افراد جماعت اسلامی سے متاثر ہوئے جن میں سے سید سجاد حسین صاحب،بشیر کاشمیری صاحب،باو اصغیر حسین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اس عمل کا دورانیہ غالباً 63-1962 سے شروع ہوا۔اس

دوران 68-1967ء میں ایچ ایم سی ٹیکسلا بنائی گئی تو وہاں کے ملازمین میں سے جو جماعت سے متاثر یا رکن تھے وہ بھی ٹیکسلا میں متحرک ہو گئے جب کہ واہ کینٹ والے پہلے ہی سے مصروف عمل تھے۔ 1968ء میں پیپلز پارٹی کے مزدوروں میں مقبول ہونے کے بعد ردعمل میں اسلام پسند لوگوں کو بھی فعال ہونا پڑا چنانچہ 1970ء تک جماعت اسلامی علاقہ کی قابل ذکر "سیاسی و مذہبی جماعت" بن گئی اور اس سال کے قومی انتخابات میں امیدوار کھڑا کر کے زوردار پروپیگنڈے اور اجتماعات کا سہارا لیکر اپنا ایک مقام بنالیا۔

جماعت اسلامی اور علاقائی جمعیت کی کشمکش:۔

مذہبی و سیاسی نکتہ ہائے نظر مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں جماعتوں میں کشمکش ہونا فطری عمل تھا اس لئے کہ جماعت اسلامی سوشل ازم کو کفر قرار دیتی تھی اور جمعیت اس معاملے میں محتاط تھی۔ 1970 کی انتخابی مہم کے سلسلہ میں دونوں جماعتوں نے موجودہ فیصل شہید روڈ پر یکے بعد دیگرے مقابلے میں انتخابی جلسے منعقد کر کے اپنی اپنی عوامی قوت کا مظاہرہ کیا۔ علاقائی سطح پر دیہاتوں میں بھی کچھ ایسے مناظر پیش آئے لیکن چھوٹے موٹے واقعات کے علاوہ کوئی قابل ذکر ٹکراؤ نہیں ہوا البتہ کارکنوں کے درمیان ذہنی تناؤ میں اضافہ ضرور رہا۔

پاکستان پیپلز پارٹی ٹیکسلا:۔

پاک بھارت جنگ 1965ء میں اس وقت کے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے بھارت سے ہزار سالہ جنگ کا نعرہ لگا کر عوام میں مقبولیت حاصل کر لی اور بعد میں "معاہدہ تاشقند" کی مخالفت اور راز ظاہر کرنے کا اعلان کرنے سے اس مقبولیت میں اضافہ ہو گیا۔ ایوب حکومت سے مستعفی ہو کر عوام کی بنیادی ضروریات "روٹی، کپڑا، مکان" کی فراہمی اور "مساوات" قائم کرنے کے منشور کا اعلان کرتے ہوئے 1968ء میں بھٹو صاحب نے "پاکستان پیپلز پارٹی" کی بنیاد رکھ دی اور "اسلامی سوشلزم" کے نفاذ کو اپنا بنیادی مقصد قرار دے دیا۔

اس دور میں پڑھا لکھا روشن خیال طبقہ تو پہلے ہی اسلامی نظام کے مقابلے میں کمیونزم، سوشلزم کو بہتر نظام زندگی سمجھتا تھا اس لئے وہ لوگ اس نعرہ سے متاثر ہو کر پارٹی ممبر بن گئے اور مزدور، کسان، غریب، محنت کش، پسا ہوا طبقہ اپنی مظلومیت کا بدلہ لینے کے لئے اور خوشحال مستقبل کی امید میں پیپلز پارٹی پر جوش کارکن بن گیا۔ صنعتی اداروں کے مزدور اپنے کارخانوں کی ملکیت حاصل ہو جانے کے خیال سے بہت زیادہ پرامید ہو کر ہر قسم کی قربانی دینے پر تیار ہو گئے۔

یوں یہ پارٹی ملک کی مقبول ترین سیاسی جماعت بن گئی۔

پی او ایف، AC واہ اور ایچ ایم سی ٹیکسلا میں تو مزدور یونینوں کے رہنما "پارٹی لیڈر" بن گئے اور ٹیکسلا شہر میں ترقی پسند، روشن خیال، تعلیم یافتہ نوجوان بالخصوص وکلاء طبقہ پیپلز پارٹی میں شامل ہو گیا اور نسبتاً تیز طرار وکیل قیادت پر بھی فائز ہو گئے۔ جلسے جلوس بھی شروع ہو گئے۔ جناب بھٹو صاحب نے اگست 1969ء میں واہ، ٹیکسلا کی جماعت کی دعوت پر ایک بہت بڑے عوامی جلسے سے خطاب بھی کیا۔ اس موقع پر آپ کے دائیں بائیں مشہور وکیل جناب اقبال خان صاحب اور جناب شیخ محمد انور صاحب کھڑے تھے جن میں سے موخر الذکر کو قومی انتخابات میں صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ ملا اور وہ ایم پی اے بن گئے۔

مذکورہ قائدین کے علاوہ فعال کارکن میر محمد اسلم صاحب، مرزا محمد روف صاحب، سید رضا حسین صاحب، ملک محمد صدیق صاحب، شیخ منظور صاحب، مستری حسین بخش صاحب بابو رفیق پروانہ صاحب، ناصر رشید صاحب، شیخ محمد اسلم صاحب تھے جبکہ علاقائی سربراہ اکبر دین چٹان واہ والے تھے اور تاجران کے علاوہ مزدور طبقے کے جو افراد صنعتی اداروں کے ملازم تھے وہ بھی اپنے اپنے محلوں میں پارٹی کو فروغ دے رہے تھے۔ چند کارکن اب تک "جیالے" کے طور پر مشہور ہیں ایک جیالا "اظہر سموسوں والا" وفات پا گیا ہے اور دوسرا "میر جاوید" استقلال سے پارٹی میں موجود ہے۔

جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا اور پیپلز پارٹی ٹیکسلا:۔

انتخابی مقابلہ جو 1970ء میں ہوا دونوں جماعتوں کے مثبت رویہ کی وجہ سے ٹیکسلا کے ماحول پر منفی انداز سے زیادہ اثر پذیر نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی قابل ذکر ٹکراؤ ہوا۔ کیونکہ جماعت اسلامی بھی انتخاب میں حصہ لے رہی تھی اور ان کا ملکی سطح پر پیپلز پارٹی سے شدید ٹکراؤ تھا اس لئے ان دونوں جماعتوں میں کشیدگی نسبتاً زیادہ تھی۔ چونکہ "جمعیت" کی یہ "انتخابی فعالیت" مستقبل میں ایک سیاسی قوت بننے میں بہت معاون ثابت ہوئی جو پیپلز پارٹی کے لئے نقصان دہ ہوسکتی تھی اور ہوئی۔ اسلئے پیپلز پارٹی کے ایم پی اے اور موثر قائدین نے موقع ملنے پر جمعیت کے فعال کارکنوں کو نقصان پہنچانے کیلئے اپنا پورا زور لگایا بالخصوص راقم السطور کے خلاف فروری 1976ء کے ایک اتفاقی ٹکراؤ میں۔

اسی طرح 1977ء کی تحریک نظام مصطفی کے دوران جب "ڈیفنس آف پاکستان رولز" مقدمات بنے تو ایک سابق پارٹی عہدیدار جو 1976ء میں انتقام کی خاطر جیل بھجوانے میں ناکام رہا "پاگل پن" کی حد تک ہمیں گرفتار کرانے کی کوشش کرتا رہا لیکن ۔ "اے بسا آرزو کے خاک شدہ"۔

جمعیت علمائے اسلام پاکستان

برصغیر کی تقسیم سے پہلے علمائے کرام دو الگ نکتہ ہائے نظر کے حامل بالخصوص علمائے دیوبند۔اسی لئے جمعیت علمائے ہند اور جمعیت علمائے اسلام کے نام سے دو الگ الگ تنظیمیں مصروف عمل تھیں اول الذکر جماعت تقسیم کے مخالف تھی جو 1919ء میں بنی اور ثانی الذکر جو 1945ء میں بنی مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم کی ہم نوا۔جس کے سربراہ اور متحرک قائد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب تھے۔پاکستان بن جانے کے بعد جو علمائے دیوبند تقسیم کے حامی نہ تھے انہوں نے بھی پاکستان کو ایک ایسی "مسجد" کا درجہ دے کر یہ فیصلہ کیا کہ کسی مسجد کی تعمیر سے پہلے تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن تعمیر کے بعد بجائے اختلاف کے اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا اور اس کے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہونا ہر مسلمان ذمہ فرض ہے۔

جمعیت علمائے اسلام پاکستان کا قیام:۔

چنانچہ پاکستان بننے پر علماء کی کوشش اور مطالبہ یہ ہو ہونا چاہیے تھا کہ اس ملک میں خالص اسلامی نظام قائم ہو۔مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب انفرادی طور پر اس کاوش میں مصروف ہو گئے اور علماء نے 1948ء میں مولانا محمد صادق صاحب کراچی کی امارت میں جمعیت علمائے اسلام قائم کی جس کا ناظم اعلیٰ مولانا عبدالحنان ہزاروی کو بنایا گیا مگر بعض وجوہات کی بناء پر یہ جماعت منظم طریقہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔

اس دوران مارچ 1949ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب" قرارداد مقاصد" دستور ساز اسمبلی سے منظور کروا چکے تھے جس کی رو سے پاکستان میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بن سکتا۔دسمبر 1949 میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرف سے ملتان میں علماء کنونشن بلایا گیا اس لئے کہ وہ مسلم لیگی قیادت سے مایوس ہو گئے تھے اور علماء کو منظم کر کے جمعیت علمائے اسلام کے سٹیج سے جدوجہد کرنا چاہتے تھے لیکن اسی مہینے میں آپ کا انتقال ہو گیا اور آپ کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کو جمعیت کا امیر بنا دیا گیا اس کے بعد جب "دستور سازی" کی بنیاد پڑی تو ملک کے تمام علماء نے حکومت وقت سے مطالبہ کیا دستور اسلامی ہو۔اس پر وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک بیان دیا کہ مولوی صاحبان اسلامی دستور کا مطالبہ تو کرتے ہیں لیکن خود ان کے اندر جو اختلافات ہیں ان کی موجودگی میں یہ دستور کیسے وضع ہو۔

علماء کے متفقہ بائیس نکات:۔

وزیر اعظم کے اس چیلنج کو علماء نے قبول کیا اور اکیس تا چوبیس جنوری 1951ء کو سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ملک کے ہر مکتب فکر کے اکتیس علماء کراچی میں جمع ہوئے اور متفقہ طور پر بائیس نکاتی فارمولہ اسلامی دستور سازی کا پیش کر دیا۔لیکن وزیر اعظم نے لیاقت باغ میں اپنی شہادت تک جو 8 ماہ بعد ہوئی اس پر کوئی پیشرفت نہ کی اور نہ ہی ان کی جماعت مسلم لیگ میں ان نکات کو اپنے پروگرام کا جزو بنایا۔

جمعیت علمائے اسلام کی تشکیل نو:۔

برسر اقتدار جماعت مسلم لیگ کی عدم توجہ اور نوکر شاہی کی رکاوٹوں اور سازشوں کے توڑ کے لئے جمعیت کی 1952ء میں تشکیل نو کی گئی اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کو امیر اور مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کو ناظم اعلیٰ چن لیا گیا۔اس دوران 1953 کی پہلی تاریخ ختم نبوت شروع ہوگئی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔اس تحریک کے بعد پھر جمعیت کا انتخاب نو کیا گیا جس میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب (لاہور) کو امیر اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو نائب امیر بنایا گیا مگر یہ تنظیم بھی فعال کردار ادا نہ کرسکی۔

1956ء میں پاکستان کا پہلا آئین نافذ کیا گیا جسے اسلامی دستور کا نام دیا گیا لیکن اس میں کئی دفعات غیر اسلامی تھیں جن میں ترمیم ضروری تھی۔چنانچہ اکتوبر 1956ء میں علمائے کرام پھر ملتان میں اکٹھے ہوئے اور دوبارہ تشکیل نو کی جس میں شیخ التفسیر امام لاہوریؒ کو امیر اور مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا جبکہ حضرت مفتی محمود صاحب نائب امیر منتخب ہوئے۔اس نئی قیادت نے لاہور میں مرکزی دفتر بھی بنایا اور ایک ہفت روزہ جماعتی آرگن "ترجمان اسلام" بھی جون 1957ء سے جاری کر دیا۔اس ماہ ملتان میں "سہ روزہ جہاد کانفرنس" بڑے پیمانے پر منعقد کی اور اپنا پہلا انتخابی منشور بھی منظور کیا۔

نفاذ نظام اسلامی کے متعلق حکومتی رویہ:۔

انگریز کے نظام حکومت کے عادی فوجی سربراہ اور بیوروکریسی کسی صورت بھی اسلامی نظام کا نفاذ برداشت نہیں کرسکتی تھی اسی طرح اشترا کی ذہن، قوم پرست اور متجددین بھی۔

جمعیت اور دوسری اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والی جماعتوں کے دباؤ اور مطالبات سے مجبور ہو کر حکومت نے ایک "لاء کمیشن" بنایا جو اس سلسلہ میں تجاویز تیار کرے۔لیکن اس کے اراکین کی غالب اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو اسلام کی جدید تعبیر و تشریح کے حامی تھے اسی سلسلہ میں دسمبر 1957ء کے آخر میں ایک "اسلامی مذاکرہ" کرانے کا اعلان بھی کر دیا گیا جس کی جمعیت نے اس بنیاد پر مخالفت کی چونکہ اکثریت "متجددین" کی ہے وہ اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی راہ ہموار کریں گے اور "اشترا کیت" کا خوف دلا کر اسلام کے بنیادی نظریات کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے۔چنانچہ بعد میں اس "مذاکرہ" کی روداد سے یہ خدشہ حقیقت ثابت ہوگیا اسلئے کہ اس میں مرزائیوں اور ملحدین کو

بھی مدعو کیا گیا تھا۔

جمعیت کی کاوشیں:۔

جمعیت نے جنوری 1958ء میں موچی دروازہ لاہور میں جلسہ عام منعقد کر کے اس "مذاکرہ" کی اصلیت کا پول کھول دیا اور بارہ قراردادیں پاس کر کے اسلام کو مسخ کرنے کی اس ناپاک کوشش کو ناکام بنا دیا۔اس دوران مئی 1958ء میں مغربی پاکستان کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان کو قتل کر دیا گیا جو پختون رہنما خان عبدالغفار خان کے بڑے بھائی تھے۔جون 1958ء میں جمعیت نے لاہور اجلاس منعقد کر کے 1956ء کی آئین کی غیر اسلامی دفعات میں ترامیم تیار کرنے کیلئے مولانا شمس الحق افغانی صاحب مولانا مفتی محمود صاحب، شیخ حسام الدین صاحب اور علامہ خالد محمود صاحب پر مشتمل کمیٹی بنائی جس نے اپنی تفصیلی رپورٹ مرتب کی۔

حضرت لاہوریؒ کی امارت میں جمعیت نے باوجود انتہائی کسمپرسی اور تہی دامنی کے ملک بھر میں سینکڑوں شاخیں قائم کر لیں اور علماء کی ایک بڑی جماعت جمعیت سے وابستہ ہوگئی۔ چنانچہ دو سال میں اب جمعیت اس قابل ہوگئی کہ مسلمان عوام کی رائے عامہ کے زبردست مظاہرے کا انتظام کر سکے۔اس مقصد کے لئے 1958ء کے آخر میں لاہور میں عظیم الشان کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن اس دوران اکتوبر 1958ء میں ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا اور سیاسی جماعتوں کو ختم کر کے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔ پہلے سکندر مرزا صدر بنا جسے بعد میں جنرل محمد ایوب خان صاحب نے معزول کر کے خود صدارت کا عہدہ سنبھال لیا۔

جمعیت کا متبادل نظام:۔

چونکہ مارشل لاء حکومت میں اکثر سیاستدانوں کو گرفتار کر لیا تھا اور رائے عامہ کو ان کے خلاف متاثر کرنا شروع کر دیا اور سیاسی جماعتیں بھی منقار زیر پر ہوگئیں یعنی خاموش ہوگئیں۔ جمعیت بھی تقریباً ڈیڑھ سال غیر فعال رہی لیکن جب اکابر نے دیکھا کہ بعض علماء جنرل ایوب خان صاحب کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے ہیں بلکہ اسناد کی تقسیم کے موقع پر اسے تقریر کی صدارت کے لئے بلا رہے ہیں تو انہیں خدشہ ہوا کہ یہ طبقہ علماء حکومت کی غیر اسلامی روش کا آلہ کار نہ بن جائے۔چنانچہ مشورہ کر کے مئی 1959ء میں ملتان میں ایک اجلاس بلا کر "نظام العلماء" کے نام سے تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور جون میں لاہور میں ملک کے مقتدر علماء کا ایک کنونشن بلا کر اس تنظیم کے امیر اور ناظم اعلیٰ حضرت لاہوریؒ اور ہزاروی صاحبؒ منتخب کیئے گئے۔اس تنظیم نے بھی جمعیت والے انداز میں اڑھائی سال تک خوب کام کیا، پابندیاں بھی لگیں مقدمے بنے ماہنامہ اجراء کیا۔آرگن بند ہوا زبان بندی ہوئی لیکن غیر اسلامی اقدامات کے خلاف ہر انداز میں آواز بلند کی جاتی رہی بالخصوص غیر اسلامی دفعات پر مشتمل عائلی قوانین کے نفاذ پر زوراحتجاج کیا گیا۔اس دوران امیر مرکزیہ مولانا احمد علی لاہوریؒ فروری 1962ء میں وصال فرما گئے اور ان کے بعد مارچ میں حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کو نیا امیر منتخب کیا گیا۔ادھر ایوب خان نے مارچ میں نیا آئین نافذ کر کے غیر جماعتی انتخابات بنیادی جمہوریت کی بنیاد پر کرانے کا اعلان کر دیا۔

قومی اور صوبائی اسمبلی میں جمعیت کی نمائندگی:۔

چنانچہ مئی 1962ء کے اوائل میں انتخابات ہوئے اور جمعیت کے دو ممتاز رہنما حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب انفرادی طور پر انتخاب لڑ کر علی الترتیب قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے رکن منتخب ہوگئے اور اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیا اس دوران جولائی 1962ء میں سیاسی جماعتوں پر پابندی ختم کر دی گئی۔

میعت علمائے اسلام ٹیکسلا کا قیام (1962ء):۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ ٹیکسلا میں کوئی سیاسی جماعت نہ آزادی سے قبل اور نہ بعد منظم تھی اس لئے حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے بھی اپنے شیخ حضرت امام لاہوریؒ کی عمارت میں بننے والی جمعیت علمائے اسلام کی شاخ یہاں تشکیل نہیں دی اور دوسرے اہداف کی طرف توجہ مبذول رکھی۔جون 1958ء میں مسلم لیگ کے صدر کے استقبال کیلئے ٹیکسلا کے چند سرکردہ افراد بالخصوص بازار کے تاجران پر مشتمل استقبالیہ کمیٹی کی تشکیل، 1959 سے بلدیاتی انتخابات کی گہما گہمی اور دھڑوں کی بنیاد پر انتخاب، 1962ء کے انتخابات میں ٹیکسلا سے شیخ کرم الٰہی صاحب کے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑنے جیسے واقعات نے مولانا موصوف کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اب اس میدان کو خالی نہیں چھوڑنا چاہیئے اسلئے کہ مذہبی طبقہ اپنی اپنی پسند یا نسلی و قومی تعصب اور دھڑے بندی کی بنیاد پر مروجہ سیاسی جماعتوں میں شریک ہو کر فعال ہو جائے گا اور اس طرح مذہبی کام منفی طور پر متاثر ہو جائے گا چنانچہ آپ نے 25 اکتوبر 1962ء کو "جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا" کی تشکیل کر دی جس کے امیر مولانا خود اور ناظم اعلیٰ استاد رحمت دین صاحب بنائے گئے اور دیگر احباب کے علاوہ قابل ذکر اراکین استاد روشن دین صاحب اور محبوب الٰہی اعوان صاحب بھی شریک اجلاس تھے۔دسمبر تک چار اجلاس منعقد کئے گئے اور مولانا محمد صدیق صاحب، شیخ علاؤالدین صاحب اور دیگر احباب بھی رکن بن گئے۔

علاقہ میں بھی اس سلسلہ میں رابطے کیئے گئے۔جنوری 1963ء میں صوبائی امیر حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب لوسر شرفو تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔جمعیت کے مرکزی امیر

حضرت درخواستیؒ بھی غالباً 1963 یا 1964ء میں مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں خطاب اور مدرسہ تعلیم القرآن کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے تشریف لائے۔اس کے بعد ایک اور صوبائی رہنما مولانا لقمان علی پوری صاحب کو 24 اکتوبر 1964ء کو ٹیکسلا کی مرکزی مسجد میں خطاب میں بلائے گئے جنہوں نے جمعیت کا پیغام حاضرین تک پہنچایا۔اس کے بعد حکومت نے جنوری 1965ء میں انتخابات کا اعلان کر دیا جو جماعتی بنیاد پر ہونا تھا۔

ان انتخابات میں ایک طرف صدر محمد ایوب خان کی کنونشن مسلم لیگ تھی اور دوسری طرف حزب اختلاف کی جماعتوں کا محاذ۔جو کیمونسٹوں،سوشلسٹوں،اسلام پسندوں پر مشتمل چوں چوں کا مربہ تھا۔دونوں طرف اسلامی نظام کا نفاذ بطور منشور مفقود تھا۔اس صورتحال میں جمعیت میں خالص اسلامی نظام کے نفاذ کو منشور قرار دے کر الگ سے اکیلے ہی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔باوجود وسائل نہ ہونے کے یہ ایک قلندرانہ فیصلہ تھا کہ ؎ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔

جنوری 1965ء میں ایوب خان اور فاطمہ جناح کا مقابلہ برائے صدارت ہوا اور ایوب خان جیت گئے۔

جمعیت کے مرکزی رہنما حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب 29 اگست 1965ء کو حسن ابدال جماعتی دورہ پر تشریف لائے اور علاقہ بھر کے کارکنوں اور عوام سے خطاب کیا۔

اگلے ماہ ستمبر میں پاک بھارت جنگ شروع ہوگئی جو چھ سے تئیس ستمبر تک جاری رہی اور اس سے اگلے سال تاشقند میں دونوں ملکوں کا معاہدہ ہوا جسے حزب اختلاف کے ساتھ جمعیت نے بھی مسترد کر دیا۔اس طرح ملک میں نیا سیاسی انتشار بھی پیدا ہو گیا گرانی اور بے روزگاری بڑھ گئی اور قوم جذباتی ہیجان میں مبتلا ہوگئی ان حالات میں جمعیت کو عملاً غیر فعال کر دیا گیا۔

جمعیت کی مقامی شاخ کا احیاء (1966ء):۔

مذکورہ حالات کی بنیاد پر مولانا محمد داؤد صاحبؒ نے پہلے تو علاقائی بنیاد پر مئی 1966ء میں غیر سیاسی تنظیم "جماعت ربانی" بنائی جس کا تذکرہ ہو چکا ہے لیکن بعد میں غالباً مرکزی و ضلعی رہنماؤں کے توجہ دلانے پر 15 جولائی 1966ء کو گزشتہ سال بھر کے تعطل کو ختم کر کے مقامی جمعیت کے سابقہ کارکنوں کا اجلاس بلایا اور دوبارہ جمعیت کو فعال کر دیا۔اسی ماہ مرکزی رہنما مولانا محمد اجمل خان صاحب کا ٹیکسلا میں خطاب ہوا، 4 اگست کو دفتر بنا دیا گیا، 20 ستمبر کو لوہسر شرفو میں علاقائی جمعیت قائم ہوئی جس کے سرپرست مولانا محمد داؤد صاحب کے بڑے بھائی مولانا محمد جان صاحب منتخب ہوئے اور مولانا محمد داؤد صاحب امیر۔جبکہ بابا عبدالرحمٰن صاحب (لوسر شرفو) نائب امیر بنائے گئے۔اکتوبر میں دوبارہ جماعتی کارکنوں سے خطاب کیلئے مولانا محمد اجمل خان صاحب کو ٹیکسلا بلایا گیا۔

کارکردگی 1967ء:۔

مقامی اجلاسوں کے علاوہ 23 ستمبر کو گڑھی افغاناں میں علاقائی تنظیم کے تحت تبلیغی جلسہ منعقد ہوا جس میں صوبائی رہنما مولانا حامد علی رحمانی صاحب حسن ابدال نے خطاب فرمایا، 14 اکتوبر کو ملک غلام فرید صاحب کے ہاں "تنظیم رضا کاران" کے سلسلہ میں اجتماع ہوا۔26 اکتوبر کو اکوڑہ خٹک میں امیر مرکزیہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی سے جماعتی وفد نے ملاقات کی۔28 اکتوبر کو گڑھی افغاناں میں دوبارہ جلسہ منعقد ہوا اور 23 دسمبر کو مرکزی ناظم عمومی مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب ٹیکسلا تشریف لائے اور کارکنوں سے خطاب کیا۔

کارکردگی 1968ء:۔

4 فروری 1968ء کو ناظم عمومی مولانا ہزاروی صاحب سے جمعیت کے سلسلہ میں ملاقات کی گئی اور ٹیکسلا میں جلسہ سے خطاب کیلئے دعوت دی گئی۔14 فروری کو مسجد امیر معاویہؓ میں جمعیت کا جلسہ منعقد ہوا جس میں مفسر قرآن پیر طریقت حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ اور مولانا غوث ہزاروی صاحب نے خطاب فرمایا۔

پاکستان اور عالمی صورتحال:۔

مغربی ممالک کے سرمایہ دارانہ نظام یعنی" کیپیٹل ازم" کے مقابلہ میں ردعمل کے طور پر" کیمونزم" اور" سوشلزم" کا نظام زور و شور سے پروان چڑھنا شروع ہوگیا۔پاکستان کے دونوں حصوں میں بھی مولانا بھاشانی، پروفیسر مظفر،محمود علی قصوری جیسے سیاسی لیڈران نظاموں کے نفاذ کے علمبردار بن گئے اور خان عبدالغفار خان، جی ایم سید،اور شیخ مجیب جیسے نیشنلسٹ بھی ان کے رفیق سفر بن گئے۔صدر ایوب خان کی کنونشن مسلم لیگ کے مقابلے کے لئے ان مزکورہ لیڈروں نے کونسل مسلم لیگ، جماعت اسلامی جیسی جماعتوں کو ملا کر ایک متحدہ محاذ بنالیا۔

چونکہ دونوں حریفوں کے منشور میں "اسلام کے نفاذ" کا کوئی ذکر نہیں تھا اس لئے جمعیت نے الگ تھلگ رہ کر خالص اسلام نافذ کرنے کا مورچہ قائم کرنے اعلان کر دیا۔عالمی سطح پر سامراجی طاقتیں مصر،سوڈان،الجزائر،انڈونیشیا،لیبیا جیسے مسلمان ممالک میں مداخلت کر کے سازشوں کے ذریعے وہاں اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کرنا چاہتی تھی اور ان کے باہمی

اتحاد کو ریزہ ریزہ کر کے کمزور کرنے کی کوششیں کر رہی تھیں۔اور اس مقصد کے لئے پاکستان وغیرہ اسلامی ممالک میں ان ممالک کے سربراہوں کے اسلام دشمن ہونے کا پروپیگنڈہ زور وشور سے کیا جانے لگا تا کہ عوام کی ہمدردیاں ان مسلم ممالک کو حاصل نہ ہوسکیں۔"جمعیت علمائے اسلام" نے اس موقع پر ان سازشوں کا بروقت ادراک کر لیا اور عوامی جلسوں کے علاوہ اپنے جرائد میں مضامین لکھ کر حقائق کو اجاگر کیا۔مصر،انڈونیشیا اور لیبیا کے حکمرانوں کیساتھ یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے ان کا خوب دفاع کیا۔

چونکہ مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے بارے میں پاکستان میں بہت منفی پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بارے میں علمائے کرام کی رائے کی بجائے اس وقت کے ایک اعلیٰ حکومتی عہدیدار جو ملکی سربراہوں کے ذاتی سیکرٹری تک رہے یعنی جناب قدرت اللہ شہاب صاحب کی رائے ان کی کتاب (شہاب نامہ) سے درج کر دی جائے۔وہ نومبر 1960ء میں صدر ایوب خان صاحب کے دورہ مصر کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"قاہرہ میں چندروز کی ملاقاتوں اور مذاکرات کے بعد صدر ایوب خان کے ذہن سے صدر ناصر کی ذات پر جمی ہوئی گرد بڑی حد تک چھٹ گئی۔جمال عبدالناصر کے کردار میں کوئی بدنما پیچ وخم نہ تھا۔وہ صوم وصلوۃ کے پابند تھے اور ان کے چہرے مہرے سے صدق ووفا،خلوص اور دیانتداری کی پھوار ٹپکتی تھی۔ان کی گفتگو میں سادگی،متانت اور راستی کا رنگ غالب تھا۔مذاکرات کے پہلے ہی دور میں انہوں نے بچپن ہی سے اسلام کے ساتھ اپنی والہانہ وابستگی،شاہ فاروق کے عہد میں مصر کی شدید اخلاقی پستی،جنرل مجیب کے ساتھ اختلافات کی وجوہات،اقتدار میں آنے کے بعد علمائے دین کے ایک طبقہ کے ساتھ فکری اور نظریاتی کشمکش،مصر میں امریکہ کے عزائم اور پالیسیوں کی طرف سے بے یقینی اور مایوسی اور ردعمل کے طور پر مصر کا روس کی طرف جھکاؤ کی تفصیلات پر ایسا سنجیدہ،مدبرانہ اور متوازن تبصرہ کیا،جس میں صدر ناصر کے جذبات اور احساسات کی دلسوزی کوٹ کوٹ کر بھری تھی"۔

اس دوران پاک بھارت جنگ کے بعد اور متنازعہ "معاہدہ تاشقند" کی وجہ سے عوام میں مایوسی اور اضطراب پیدا ہو گیا جس سے "حزب اختلاف" کے مذکورہ محاذ نے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ادھر ایوب حکومت کے وزیر خارجہ "ذوالفقار علی بھٹو" مستعفی ہو کر ان کے خلاف میدان میں آ گئے اور حکومت کی پالیسیوں سے تنگ آئے ہوئے عوام کو روٹی، کپڑا،مکان" دینے کا وعدہ کر کے "اسلامی سوشلزم" نافذ کرنے کا اعلان کر دیا اور پاکستان پیپلز پارٹی کے نام سے 1968ء میں اپنی سیاسی پارٹی بنالی جسے بہت جلد عوام میں پزیرائی مل گئی۔

جماعت اسلامی اور بعض دوسرے علمائے کرام نے 113 مفتیان سے سوشلزم کے کفر ہونے کا فتوی لے کر پی پی کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی اور یہ نہ سوچا کہ ملک کے غریب ،نادار،مظلوم مزدور اور پسے ہوئے طبقات "**کادالفقر اان یکون کفراً**" کی حالت میں پہنچے ہوئے ہیں وہ ان فتوں سے متاثر نہیں ہوں گے اور خواہ مخواہ تمہارے فتوے کے مطابق اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔اس نازک صورتحال میں جمعیت کے اکابر نے معتدل پالیسی اپنائی،"اسلامی مساوات" کے مطالبہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے کسانوں، مزدوروں اور غریبوں کے معاشی مسائل پر واضح بیانات وتقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا اور سرمایہ دارانہ وجاگیر دارانہ نظام کو ختم کرنے پر زور دینا شروع کر دیا۔اس پر "لیبر پارٹی پاکستان" نے جمعیت کے ساتھ اتحاد کا اعلان کر دیا۔جمعیت نے "سوشلزم" کے کفر ہونے کی فتوے کی کھل کی مخالفت کی۔اس مقصد کیلئے مئی 1968ء میں لاہور میں سہ روزہ عظیم الشان کانفرنس منعقد کی،جلوس نکالا اور اس اجتماع کو عالمی سطح پر بہت کامیاب قرار دیا گیا۔اس طرح دو سال بعد ہونے والے قومی انتخابات میں پیپلز پارٹی کو ووٹ دینے والے "مسلمان" فتوے کے مطابق کافر ہونے سے بچ گئے۔مذکورہ کانفرنس میں کی جانے والی حکومت مخالف تقریر پر "آغا شورش کاشمیری" صاحب کو گرفتار کر کے ان کے جریدے "چٹان" پر پابندی لگا دی گئی چنانچہ جمعیت نے ان کی رہائی کیلئے بھرپور تحریک چلائی جس کے نتیجے میں انہیں رہا کر دیا گیا اور کراچی سے لیکر کے لاہور تک ہر ریلوے سٹیشن پر جمعیت کے کارکنوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔

مقامی جمعیت نے 10-9 جون کو امیر مرکز یہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی سے پہلے نوشہرہ اور پھر دوسرے دن اکوڑہ خٹک میں ملاقات کی اور جماعت کیلئے ہدایات لیں۔17 جون 1968ء کو جماعت اسلامی نے واہ کینٹ میں ایک مذہبی پروگرام کیلئے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کو شرکت کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی تو اس کا علم ہونے پر انہیں متوجہ کرنے اور علاقہ کیلئے نقصان دہ ہونے پر مطلع کرنے کیلئے راقم السطور نے ایک عریضہ لکھا۔25 اگست کو موضع سموں میں مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے پنج کٹھہ زیریں اور بالائی کی جمعیت کی تنظیمیں قائم کیں۔اس اجلاس میں مولانا محمد داؤد صاحب،مولانا مفتی عبدالحی صاحب اور مولانا ضیاء الدین صاحب وغیرہ موجود تھے دوسرے دن 26 کو مولانا ہزاروی نے لوہسر شرفو میں بھی تنظیم بنائی۔دس ستمبر کو جمعیت کی طرف سے ٹیکسلا میں ایک بڑے جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس کے لئے صوبہ پنجاب کے عہدیداران مولانا ضیاء القاسمی صاحب،مولانا مجاہد الحسینی صاحب،مولانا عبدالحکیم صاحب اور حامد علی رحمانی صاحب کو دعوت دی گئی۔اول الذکر دونوں علماء بوجہ مجبوری تشریف نہ لا سکے البتہ موخر الذکر صوبائی رہنماؤں نے جلسہ سے خطاب فرمایا اور شاعر جمعیت سید امین گیلانی صاحب نے اپنا کلام پیش کیا۔

کارکردگی 1969ء:۔

18 اگست 1969ء کو مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں جمعیت کی طرف سے جلسہ عام منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور مولانا عبدالحکیم صاحب ہزاروی نے خطاب فرمایا جس میں علاقہ بھر سے علماء و اراکین جمعیت شریک ہوئے۔20 ستمبر کو جمعیت کے صوبائی امیر مولانا عبیداللہ انور صاحب ٹیکسلا جمعیت کے دفتر میں تشریف فرما ہوئے اور اراکین سے تنظیمی امور پر ہدایات دیں۔25 اکتوبر کو جمعیت کی طرف سے پھر مرکزی جامع مسجد میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں صوبائی امیر صاحب کے علاوہ قاضی احسان انور صاحب شجاع آبادی، قاری نورالحق قریشی ایڈووکیٹ کے علاوہ ضلعی عہدیداروں نے خطاب فرمایا،25 نومبر کو مئوخرالذکر ایڈووکیٹ صاحب دوبارہ تشریف لائے اور جمعیت کے عہدیداران اور اراکین سے ملاقاتیں کیں 10 دسمبر کو مرکزی ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب بھی ٹیکسلا تشریف فرما ہوئے اور کارکنوں سے خطاب فرمایا۔

ملکی عام انتخابات 1970ء کے لئے تیاری:۔

حکومت کی طرف سے عام ملکی انتخابات کے اعلان پر جمعیت نے مقامی، علاقائی اور ضلعی سطح پر اپنی سرگرمیاں تیز کردیں تا کہ اس موقع پر سیاسی جماعت کی حیثیت سے بھرپور کردار ادا کیا جائے۔

جمعیت طلبائے اسلام کا قیام:۔

مرکزی کی طرح مقامی طور پر بھی نوجوان طلبہ مدارس وسکول، کالج کو منظم کرنے کیلئے جمعیت طلبائے اسلام ٹیکسلا کا قیام عمل میں لایا گیا اور 18 جنوری 1970ء کو اس تنظیم کے زیر انتظام پہلا جلسہ گڑھی افغاناں میں منعقد ہوا جہاں پہلے سے مقامی کارکن مصروف کار تھے۔20 مارچ کو ٹیکسلا تنظیم کا باضابطہ انتخاب ہوا جس میں صدر جناب ابراہیم نفیس صاحب، نائب صدر عشرت علی زیدی صاحب، سیکرٹری فریدون خان، خازن شیخ افتخار احمد اور سیکرٹری نشر واشاعت اورنگزیب صاحب منتخب ہوئے۔

انجمن شبان اسلام سے تعاون کا حصول:۔

اپنے ہم مسلک نوجوانوں پر مشتمل اس تنظیم سے جو پانچ چھے سال مقامی اور علاقائی سطح پر مصروف عمل تھی اس موقع پر تعاون کیلئے رابطہ کیا گیا تا کہ مختلف مقامات پر موجود انجمن کی تنظیموں سے بھی انتخابات میں تعاون حاصل کیا جائے۔ مارچ 1970ء میں انجمن کی تمام تنظیموں نے اپنے اجلاس میں بھرپور تعاون کا فیصلہ کیا جس کا اعلان 24 اپریل کے جمعیت کے ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور نے بڑے جلی حروف میں کیا۔

ٹیکسلا میں عظیم الشان انتخابی عوامی جلسہ:۔

جمعیت کے مرکزی قائدین نے ملک بھر کے انتخابی دورے کے دوران 13 اپریل 70ء کو فیصل شہید روڈ ٹیکسلا پر ایک کھلے میدان میں بہت بڑے عوامی جلسہ سے خطاب کیا ۔مرکزی قائدین میں سے قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا غلام غوث ہزاری صاحب، مزدور رہنما جناب بشیر بختیار صاحب اور دیگر رہنماؤں نے شرکت کی ۔شعراء انقلاب جانباز مرزا اور سید امین گیلانی صاحب نے بھی اپنا انقلابی کلام پیش کیا۔اس کامیاب اجتماع نے بہت اچھے اثرات مرتب کئے اور جمعیت کی مقبولیت میں گونا گوں اضافہ ہوگیا۔

ٹیکسلا جماعت کی "متحدہ دینی محاذ" پاکستان میں بالواسطہ نمائندگی:۔

جمعیت علمائے اسلام پاکستان میں مئی 1970ء میں پاکستان کی ہم خیال جماعتوں کو متحد ہو کر سوشل ازم، کیپٹل ازم اور ماڈرن اسلام کی علمبردار جماعتوں کا انتخاب میں مقابلہ کرنے کی دعوت دی جس پر 13 مئی کو لاہور میں 19 چھوٹی بڑی سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے اجلاس میں شرکت کرکے "متحدہ دینی محاذ پاکستان" کے نام سے ایک اتحاد تشکیل دیا جس میں علاقہ ٹیکسلا اور گردونواح میں اپنے ہم مسلک نوجوانوں کی فعال تنظیم "انجمن شبان اسلام پاکستان" بھی شامل تھی اور اسے مرکزی قائدین بالخصوص مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے اس مقصد کے لئے تجویز کیا اور دعوت نامہ بھجوایا تھا گویا یہاں کی جمعیت کو الحمدللہ اتنی اہمیت دی گئی۔لاہور میں محاذ کی طرف سے پروگراموں میں تشکیل سے لے کر تمام اجلاسوں تک بطور نمائندہ شرکت کی۔

قومی اسمبلی کیلئے انتخابات:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب چونکہ جمعیت کے اساسی اراکین میں شامل تھے اور جمعیت کے مرکزی امیر آپکے شیخ طریقت حضرت امام لاہوریؒ اور ناظم اعلیٰ آپ کے قریبی دوست مولانا غلام غوث ہزارویؒ تھے اسلئے آپ نے علاقہ بھر بلکہ ضلع راولپنڈی وملحقہ قریبی اضلاع میں جماعتی کام کو خوب فروغ دیا تھا آپ کی سیاسی بصیرت تنظیمی صلاحیت، للٰہیت اور جانبازی وقربانی کو مرکزی قائدین بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے جماعتی طور پر آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ ضلع راولپنڈی کے پاکستان کے سب سے بڑے حلقے سے جمعیت کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا انتخاب لڑیں۔

آپ نے باوجود بے بضاعتی کے جماعتی حکم کی تعمیل کی۔ ٹیکسلا شہر میں مذکورہ بہت بڑا منظم انتخابی جلسہ ہوا۔ نوجوانوں کی کثیر تعداد انتخابی مہم میں حصہ لینے کیلئے رضا کارانہ طور پر تیار ہو گئی۔ قریبی دیہاتوں کے علاوہ علاقہ چونترہ اور چک بیلی خان کے دور دراز قصبات اور دیہاتوں میں انتخابی جلسے ہوئے۔ مالی وسائل، آمدورفت کے ذرائع ناپید ہونے کے باوجود رات دن ایک کر کے لوگوں سے براہ راست رابطے کئے گئے اور عام مسلمانوں نے بہت جوش وجذبہ سے تعاون کا یقین دلایا۔ اس مہم میں خاص طور پر آپ کے بے تکلف دوست اور جماعتی رفیق حضرت مولانا عبدالستار توحیدی صاحب نے بہت مشقت اٹھائی اور اپنے کندھوں پر سامان اٹھا کر دوروں میں شریک رہے۔ ان کے علاوہ دوسرے جماعتی رہنما حضرت مولانا عبدالمعبود نے بھی بہت محنت فرمائی اور شریک سفر رہ کر خوب تعاون کیا۔

جمعیت کے کارکنوں اور انجمن شبان اسلام کے نوجوانوں نے بھرپور مہم چلائی۔ چونترہ، چک بیلی، اسلام آباد، بھارہ کہو، گولڑہ وغیرہ کے وسیع حلقہ میں حتی الامکان ہر جگہ دورہ کیا۔ تحریری کتابچے پہنچائے، پمفلٹ تقسیم کئے، عید کے اجتماعات میں پیغام پہنچایا غرضیکہ اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے تعاون کرنے کی دعوت دور دور تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی تا کہ اتمام حجت ہو جائے۔

بہر حال چونکہ پوری پاکستانی قوم بالخصوص پنجاب اور سندھ کے لوگ روٹی، کپڑا، مکان کے پرفریب نعرے کا شکار ہو چکے تھے اس حلقہ میں ایک کھمبے کو ووٹ دیدیا جو غالباً عقیدے کا قادیانی بھی تھا (موصوف بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور رد قادیانیت میں کتاب لکھی) البتہ یہ ضرور ہوا کہ جہاں جہاں جمعیت کا پیغام پہنچا تھا ان مقامات سے اچھے خاصے ووٹ جمعیت کو مل گئے اور حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کامیاب امیدوار سے دوسرے نمبر پر رہے جس طرح پورے مغربی پاکستان میں جمعیت ووٹوں کی تعداد کے لحاظ سے پیپلز پارٹی کے بعد دوسرے نمبر پر تھی۔

جمعیت طلبائے اسلام کی تشکیل نو:۔

"ترجمان اسلام لاہور" کے مطابق 26 جون کو جمعیت طلبائے اسلام ٹیکسلا کی توسیع کے بعد انتخاب نو ہوا جس میں ظہیر حسین گیلانی صاحب کو صدر، شیخ غیاث الدین نسیم صاحب کو ناظم عمومی، شیخ ظہیر الدین بابر صاحب کو ناظم نشر و اشاعت، شیخ افتخار احمد صاحب کو ناظم دفتر اور ملک محمد اکرم صاحب کو خازن بنایا گیا (تین عہدیدار ٹیکسلا کی مشہور بااثر کشمیری برادری کے سربراہان کے فرزند تھے)

مقامی انتخابی عمل کے علاوہ مصروفیات:۔

مرکزی جمعیت کی طرف سے لاہور میں جون 1970ء کے دوران آل پاکستان آئین شریعت کانفرنس میں شرکت کیلئے علاقہ سے کثیر تعداد میں اراکین نے اجتماعی طور پر بسوں کے ذریعے سفر کیا اور سارے راستہ میں جھنڈے لہرا کر اور نعرے لگا کر جماعت کا پیغام پہنچایا۔ 25 جون کو رات گجرانوالہ میں منعقدہ پروگرام میں شرکت کی اور اگلے دو دن لاہور میں جلسوں اور جلوسوں میں بھرپور نمائندگی کی۔

علاقہ بھر میں رابطوں اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا، اجلاس بھی باقاعدگی سے ہوتے رہے۔ 23 تا 25 جولائی دوبارہ لاہور میں مرکز کی طرف سے منعقدہ کنونشن میں نمائندوں کو بھجوایا گیا۔ 21 اگست کو مولانا زاہد الراشدی صاحب کا ٹیکسلا میں خطاب ہوا راقم السطور نے ستمبر سے نومبر تک تین ماہ لاہور میں قیام کے دوران حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور اور علامہ خالد محمود صاحب کے حلقہ ہائے انتخاب میں انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا اور جماعتی کارکنوں سے مل کر ہر قسم کے کاموں کو سرانجام دیا۔ مرکزی دفتر میں تقریباً ہفتے میں دو تین بار حاضری ہوتی رہی اور موفضہ امور کی انجام دہی جاری رہی۔

ٹیکسلا شاخ اہم عہدیدار کا انتقال:۔

ترجمان اسلام لاہور نے 2 اکتوبر کے شمارہ میں جناب شیخ علاؤالدین صاحب کے انتقال پر تعزیتی بیان اہتمام سے شائع کیا جو خود بھی جمعیت کے اساسی رکن تھے اور ان کے صاحبزادے جمعیت طلبائے اسلام کے مقامی ناظم عمومی تھے۔

انتخابات کے بعد جماعتی کام:۔

قومی انتخابات کے بعد جماعتی اجلاس باقاعدگی سے ہوتے رہے۔ ضلعی، صوبائی اور مرکزی قائدین سے رابطہ مسلسل رہا۔ صوبائی رہنما مولانا زاہدی الراشدی صاحب مرکزی ناظم دفتر اکبر سلیمانی صاحب اور احمد سعید لدھیانوی صاحب ٹیکسلا تشریف لائے، راقم السطور نے مارچ 1971ء میں مرکزی دفتر لاہور میں حاضری دی اسی طرح جہاد کانفرنس کے عنوان سے دو روزہ جلسے منعقد کئے گئے جن میں صوبائی رہنماؤں مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مولانا زاہد الراشدی صاحب نے خطاب فرمایا۔ راولپنڈی، اٹک، حسن ابدال میں ہونے والے پروگراموں میں جمعیت کے مرکزی قائدین سے ملاقاتیں بھی کی گئیں جن میں قائد جمعیت مفتی محمود صاحب، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا ضیاء القاسمی، قاری نور

الحق قریشی صاحب قابل ذکر ہیں۔22 اکتوبر کوصوبائی قائدین نے ضلع راولپنڈی کا دورہ کر کے رابطہ کمیٹی بنائی جس کا سربراہ مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب (راولپنڈی) کو بنایا گیا۔اس مہم میں ٹیکسلا کی جماعت نے بھر پور تعاون کیا بالخصوص راقم السطور جناب قاری صاحب موصوف کے دورہ میں شریک رہا۔نومبر 71ء میں لاہور میں منعقدہ مرکزی اجتماع میں بھی شرکت کی گئی۔اس سال مولانا محمد داؤد صاحب پنجاب جمعیت کی شوریٰ کا رکن بنایا گیا۔

23 نومبر کو جنرل یحییٰ خان صاحب نے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔مشرقی پاکستان میں جنگ چھڑ گئی اور دسمبر میں ملک دولخت ہو گیا۔

کارکردگی 1972ء:۔

اب پاکستان صرف مغربی پاکستان والا صوبہ رہ گیا تھا ساری توجہ سیاسی جماعتوں کی مستقبل پر ہوگئی۔پیپلز پارٹی کا سربراہ ذوالفقار علی بھٹو ملک کا صدر اور سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی بن گیا۔جمعیت نے لاہور میں ملک ٹوٹنے کے بعد ایک کنونشن منعقد کر کے "نظام العلماء" کے نام سے کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔اس سلسلہ میں راقم السطور نے جامعہ فرقانیہ راولپنڈی حاضر ہو کر اکابر سے ہدایت لیں اور مقامی جماعت کے ذمہ داران تک پہنچائیں۔دو تین ماہ سیاسی جماعتوں میں رابطے ہوتے رہے اور بالآخر "جمعیت" اور "نیپ" نے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں حکمران جماعت کے ساتھ اتحاد کر کے صوبائی حکومتیں بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ ملک میں سیاسی استحکام ہو اور مارشل لاء ختم ہو سکے۔اس عرصے میں ہمارا مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے رابطہ رہا اور جب حضرت درخواستیؒ راولپنڈی تشریف لائے تو ان سے بھی ملاقات کی گئی۔لاہور دفتر بھی جانا ہوا اور 24 اپریل کو لیاقت باغ راولپنڈی میں حضرت مفتی محمود صاحب کے خطاب میں بھی شرکت کی گئی۔

حضرت مفتی محمود صاحب بطور وزیر اعلیٰ سرحد:۔

یکم مئی 1972 کو قائد جمعیت حضرت مفتی محمود صاحب نے بطور وزیر اعلیٰ حلف اٹھایا جس پر پانچ مئی کو "یوم تشکر" کے سلسلہ میں قریباً دو سو کارکن سپیشل بسوں کے ذریعے پشاور گئے جہاں امیر مرکزیہ حضرت درخواستی صاحب نے جمعہ پڑھایا اور نماز کے بعد عظیم الشان جلسہ اور جلوس منعقد کیئے گئے۔

ماہ مئی کی مصروفیات:۔

جمعیت گڑھی افغاناں شاخ کی دعوت پر اوائل مئی میں وہاں کا دورہ کیا گیا۔7 مئی کو ہری پور میں مفتی محمود صاحب کے پروگرام میں شرکت کی گئی۔9 تاریخ کو حسن ابدال میں صوبائی رہنما مولانا منظور احمد چنیوٹی سے ملاقات ہوئی،10 مئی کو ٹیکسلا اڈہ پر دوران سفر حضرت مفتی صاحب کا پرجوش استقبال کیا گیا،12 مئی کو پنڈی میں جمعیت کے قائدین سے ملاقاتیں کی گئیں اور 21 مئی کو لالہ رخ واہ اور لوہسر شرفو میں جمعیت کے اجلاس منعقد کئے گئے۔28 مئی کو صوبائی امیر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور واہ، ٹیکسلا تشریف لائے۔اراکین سے ملاقاتیں ہوئیں اور اسی دن ٹیکسلا جمعیت کا اجلاس بھی منعقد ہوا۔

جون، جولائی کی سرگرمیاں:۔

جمعیت کی ذیلی تنظیم جمعیت طلبائے اسلام کے زیر انتظام تین جون کو جلسہ عام منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور سید سلمان گیلانی نے شرکت کی اور اس کے علاوہ اجلاس بھی منعقد ہوئے اور 16 جون کو امیر مرکزیہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کے اٹک جلسہ میں شرکت کی گئی علاوہ ازیں۔کرموال، ڈھبیاں اور بھیرہ کے دورے بھی ہوئے۔یکم جولائی کو گڑھی افغاناں میں جمعیت کا جلسہ ہوا۔9 تاریخ کو مولانا ہزاروی نے پنڈ گاکھڑہ میں خطاب فرمایا۔24 جولائی مرکزی رہنما مولانا زاہد الراشدی ٹیکسلا تشریف لائے اور کارکنوں سے خطاب کیا اور 29 جولائی کو صوبائی رہنما مولانا لقمان علی پوری ٹیکسلا تشریف لائے اور مجمع میں تقریر فرمائی۔

اگست، ستمبر کی مصروفیات:۔

ان دو ماہ میں لوہسر شرفو، پنڈ گاکھڑہ، کوٹھا، ایچ ایم سی، تو تنیاں وغیرہ میں حضرت غلام غوث ہزاروی صاحب، قاری سعید الرحمٰن صاحب اور دیگر علماء کے اجلاسوں میں شرکت کی گئی۔12 ستمبر کو پنڈی میں حضرت مفتی محمود صاحب سے ملاقات بھی کی گئی اور علاقائی تنظیموں سے رابطے بھی جاری رہے اور لوہسر شرفو، ٹیکسلا میں جمعیت کی تشکیل نو کر دی گئی۔

سال کی آخری سہ ماہی کی سرگرمیاں:۔

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں گڑھی افغاناں، گانگو بہادر اور بھوئی گاڑ کا جماعتی دورہ کیا گیا اور وہاں نئی تنظیم سازی ہوئی۔6 اکتوبر کو جمعیت طلبائے اسلام کا بھی انتخاب ہوا۔جمعیت کے اکابر میں سے مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نے بھوئی گاڑ میں خطاب فرمایا، رمضان المبارک میں مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب کا ٹیکسلا میں خطاب ہوا اور 22 نومبر کو جامعہ فرقانیہ راولپنڈی میں مرکزی اجلاس میں شرکت کی گئی۔

کارکردگی 1973ء:۔

اس سال کی پہلی سہ ماہی میں فروری کے مہینہ میں قائد جمعیت حضرت مفتی محمود صاحب کی راولپنڈی میں تقریر ہوئی اور 16 فروری کو آپ نے بلوچستان حکومت کی برطرفی پر وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ اسی دن مقامی جمعیت کا اجلاس منعقد ہوا اور علاقہ بھر کی تنظیموں سے رابطہ کر کے نئے حالات کیلئے پالیسی سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے دورے کئے گئے اس دوران سیاسی جماعتوں نے متحدہ محاذ تشکیل دیا اور احتجاجی جلسے شروع کر دیئے۔

متحدہ محاذ کے راولپنڈی جلسے پر فائرنگ:۔

متحدہ محاذ پاکستان نے 23 مارچ کو لیاقت باغ میں بہت بڑے جلسے کا اہتمام کیا جس میں علاقائی جمعیت کے کارکن کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ عین جمعہ کے وقت حکومتی غنڈوں نے جلسہ گاہ پر فائرنگ کر دی جس سے صوبہ سرحد سے آئے ہوئے محاذ کے کارکن بڑی تعداد میں شہید ہوئے۔ قائد جمعیت مفتی محمود صاحب تعلیم القرآن راجہ بازار میں جمعہ پڑھا کر تشریف لائے تو کارکنوں نے بڑی مشکل سے لیاقت روڈ سے آپ کو واپس جانے پر آمادہ کیا ان میں راقم السطور کے علاوہ ٹیکسلا کے کارکنوں کی اکثریت شامل تھی۔

دوسری سہ ماہی کی سرگرمیاں:۔

اپریل میں علاقائی سرگرمیوں کے علاوہ لاہور مرکزی دفتر کا دورہ کیا اور تازہ ہدایت حاصل کیں گئیں۔ 17 اپریل کو راولپنڈی اسلام آباد کے علماء کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ٹیکسلا سے بھی نمائندگی کی گئی۔ 29 اپریل کو صوبائی امیر حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب ٹیکسلا تشریف لائے، مئی میں مولانا قاری محمد اجمل خان صاحب بھی علاقہ کے دورہ پر آئے۔ اس عرصہ میں مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب سے دو ملاقاتیں ہوئیں اور حسن ابدال میں صوبائی رہنما مولانا حامد علی رحمانی صاحب سے بھی جماعتی امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

جمعیت کے صوبائی اجلاس منعقدہ ملتان میں شرکت:۔

صوبہ پنجاب کی مجلس عاملہ کا اجلاس 22 جولائی کو طلب کیا گیا تھا جس میں شرکت کے لئے بطور رکن شوریٰ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کو دعوت نامہ ملا تو حضرت نے راقم السطور کو ملتان پہنچ کر اپنی نمائندگی کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے مذکورہ اجلاس میں شرکت کی، اس موقع پر صوبائی انتخابات بھی کرائے گئے۔ واپسی پر لاہور مرکزی دفتر اور شیرانوالہ جلسہ میں بھی حاضری دی۔ 27 جولائی 73ء کو راولپنڈی کی ضلعی تنظیم کا انتخاب کیا گیا جس میں غالباً والد محترم کو ناظم عمومی منتخب کیا گیا۔ اگست کے مہینے میں امیر مرکزیہ حضرت درخواستیؒ لالہ رخ واہ کی مسجد میں تشریف لائے، ستمبر میں صوبائی رہنما مولانا منظور احمد چنیوٹی کی ٹیکسلا میں تقریر ہوئی اسی طرح مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب کے پروگرام بھی متعدد جگہ ہوئے۔ حضرو، حسن ابدال، پنڈ گاکھڑہ، راولپنڈی میں جمعیت کے پروگراموں میں شرکت کی گئی 25 نومبر کو لاہور مرکزی دفتر کا دورہ بھی کیا گیا۔

جمعیت علمائے اسلام کا دولخت ہونے کا المیہ:۔

جمعیت کے دو مرکزی قائدین حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غوث ہزاروی صاحب کے درمیان صوبہ سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں کی تشکیل کے وقت اختلاف رائے جو 1972ء کی ابتداء میں شروع ہوا، اتار چڑھاؤ کے باوجود ایک سال تک اندر خانے ہی رہا۔ فروری 1973ء میں یہ دونوں حکومتیں ختم ہونے کے بعد اس اختلاف نے برگ و بار لانے شروع کر دیئے اور نتیجتاً دونوں گروپوں نے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کی نظامت عمومی ختم کر دی۔ الگ الگ اجلاس ہونے لگے بالآخر اگست 1973ء سے علماء و قائدین مولانا مفتی محمود صاحب کے گروپ میں رہے اور تین چار مرکزی رہنما حضرت مولانا غوث ہزاروی صاحب کے ہم خیال بن گئے اور یوں جمعیت کا "ہزاروی گروپ" وجود میں آکر مصروف عمل ہو گیا۔ اس دھڑے میں قابل ذکر مولانا عبدالحکیم ہزاروی صاحب اور مولانا ضیاء القاسمی صاحب تھے۔

جمعیت کی تقسیم کا مقامی طور پر اثر:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے باوجود حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب سے انتہائی قریبی تعلق کے مقامی جماعت کو مشورہ اور حکم دیا کہ علماء کی غالب اکثریت والے دھڑے کے ساتھ ہی منسلک رہیں اس لئے کہ آپ کے شیخ طریقت کے روحانی وسیاسی جانشین دونوں یعنی حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور اور حافظ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب درخواستی مفتی محمود صاحب والے گروپ میں تھے۔ مقامی جمعیت نے فیصلہ کیا کہ کوئی رکن حضرت ہزاروی صاحب کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے منفی تبصرہ نہ کرے اور علاقہ کے آپ کے مذہبی پروگراموں میں بدستور شرکت کی جاتی رہے۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے خود کو نسبتاً غیر فعال کر دیا اور چونکہ آپ کو اندرونی اختلاف کی شدت کا پہلے سے علم تھا اس لئے غالباً آپ نے 21 جولائی 1973ء کو جمعیت کے صوبائی اجلاس منعقدہ ملتان میں راقم السطور کو نمائندگی کے لئے بھجوایا اور اس طرح اگلے تقسیم کے مرحلے کے بعد جو اگست میں ہوئی مقامی جمعیت کی ذمہ داری سے گویا مکمل طور پر دستبردار ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کی عملاً گوشہ نشینی:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے تقریباً 35 سال (1973-1938ء) بھرپور عملی زندگی گزار کر (جس کی تفصیل گزر چکی ہے اور جمعیت کی کارکردگی آگے آرہی ہے) اگست 1973ء میں جمعیت علمائے اسلام کے دو دھڑوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد اور اپنے مشن کے تمام اہداف کیلئے کسی نہ کسی درجے میں "فعال" نوجوانوں کو مصروف دیکھ کر خود عملاً تمام سرگرمیوں سے الگ ہو گئے البتہ حسب ضرورت سرپرستی ضرور فرماتے رہے، مشوروں سے بھی نوازتے رہے بالخصوص پرخلوص دعاؤں سے ایسی مدد فرماتے رہے کہ ہم جیسے انتہائی نکمے اور بے عمل نوجوان مقامی، علاقائی اور ملکی سطح کے "مشہور مذہبی کارکن" بن گئے اور صرف ان کی دعاؤں سے الحمدللہ بہت کامیابیاں بھی حاصل کیں۔ آپ ہی کی وجہ سے اپنے مسلک کے قابل فخر بزرگ مرکزی قائدین خصوصاً حافظ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب درخواستیؒ، امام الہدیٰ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور، مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا قاری اجمل خان صاحب، مولانا سمیع الحق صاحب اور حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے بے مثال حوصلہ افزائی فرمائی۔

مذہبی سرگرمیوں اور دینی، سیاسی کام کی ذمہ داریوں کی منتقلی:۔

ٹیکسلا شہر میں 33-1932ء سے کسی حد تک منظم مذہبی کام کی ابتداء حضرت مولانا محبوب عالم صاحبؒ کی ٹیکسلا آمد اور سرپرستی سے ہوئی۔ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کی ٹیکسلا تشریف آوری کے بعد جو غالباً 1938ء کے اواخر میں ہوئی اس سرپرستی اور قیادت کی ذمہ داری دھیرے دھیرے ان کو منتقل ہو گئی۔ مدرسہ تعلیم القرآن کی انتظامی ذمہ داری سے 1966 سے مستعفی ہو کر آپ نے اپنی ان ذمہ داریوں میں سے یہ ایک کام نئی انتظامیہ کے حوالے کر دیا۔ اس واقع سے 2 سال قبل آپ ہی کے شاگردوں نے مذہبی و تبلیغی کاموں کیلئے مئی 1964ء میں ایک تنظیم "انجمن شبان اسلام" کے نام سے بنالی تھی اور تبلیغی جلسوں کے علاوہ لائبریری وغیرہ اور دفتر بنا کر اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ اس طرح حضرت مولانا مرحوم کی یہ دوسری ذمہ داری بھی نوجوانوں نے لے لی۔ جب مذہبی و سیاسی جماعت "جمعیت علمائے اسلام ٹیکسلا" نے 1966ء میں تنظیم نو کے بعد کام شروع کیا تو اس میں بھی مذکورہ انجمن کے اراکین معاون بن گئے اور 1970ء کے قومی انتخابات میں بھرپور تحریک چلائی۔ غرضیکہ کہ اگر یہ مثال دی جائے کہ غلط نہ ہوگا کہ جس طرح ملکی سطح پر ایک منتخب حکومت کے اختتام اور نئی حکومت کے انتخاب کے درمیانی عرصہ میں "عبوری حکومت" قائم کی جاتی ہے اسی طرح انجمن شبان اسلام نے 1964ء سے 1973ء تک "عبوری قیادت" کا کردار ادا کیا جس کی کارکردگی سے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب قدرے مطمئن ہوئے اور انجمن مذکور کے ہمہ نوع متحرک عہدیدار یعنی راقم السطور صلاح الدین کو 1973ء میں جمعیت علمائے اسلام پنجاب کے مجلس عاملہ کے صوبائی اجلاس منعقدہ ملتان میں "ذاتی نمائندہ" قرار دے کر بھجوایا جو اس سے پہلے 1970ء میں تشکیل کردہ 19 جماعتوں کے "متحدہ دینی محاذ پاکستان" کی مرکزی کونسل کا رکن رہ چکا تھا۔ اس طرح گویا آپ نے اپنی ساری جماعتی ذمہ داریاں اپنی تیار کردہ نوجوان نسل کو منتقل کر دیں۔

"انجمن شبان اسلام" نے بطور جماعت اور راقم السطور نے جماعتی عہدیدار ہونے کے علاوہ ذاتی طور پر کیا کردار ادا کیا، کس کس میدان میں کیا کیا نہیں کیا خواہ وہ مقامی ہو، علاقائی ہو، ملکی سطح کا ہو، مذہبی ہو، سیاسی ہو، سماجی ہو، تحریکی ہو، مزاحمتی ہو، روحانی ہو، فلاحی ہو، تحریری ہو، تدریسی ہو غرضیکہ ہمہ نو مصروفیات جاری رکھیں اور جاری ہیں۔ یہ تفصیل ہر آنے والے عنوان میں جھلکے گی۔ انشاءاللہ۔ میں یہ اعتراف بغیر کسی جھجھک کے کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ محض ان خدا کے مقبول بندوں کے فیض نظر کا نتیجہ ہے ورنہ "من آنم کہ من دانم"

علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک اور انصار المسلمین ٹیکسلا

1938 تا 1940ء

علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک اور انصار المسلمین ٹیکسلا:۔

علامہ عنایت اللہ المشرقی کا تعلق ایک متوسط مسلم گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم ہندوستان میں حاصل کرنے کے بعد اپنی لیاقت وذہانت کے بل بوتے پر اعلیٰ تعلیم کیلئے لندن جا پہنچے وہاں امتیازی حیثیتوں سے امتحانات پاس کر کے وطن لوٹے اور محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کردی۔ جنگ عظیم دوم کے بعد برّصغیر کے مسلمان تنزّل، ادبار، اور غلامی کے ساتھ ساتھ جہالت، افلاس، اور محرومیوں کے جن چنگلوں میں جکڑے ہوئے تھے وہ دردمند دلوں کو مضطرب کردینے والے تھے۔

معروف سیاسی جماعتیں کانگرس، مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند بالائی طبقہ کی قیادت میں متحرک تھیں جن تک عام مسلمانوں کی رسائی نہ تھی چنانچہ اس طبقہ کی نمائندگی، رہنمائی، اور قیادت کیلئے مجلس احرار اسلام، خاکسار تحریک اور حزب الانصار بھیرہ جیسی تنظیمیں معرض وجود میں آئیں۔

خاکسار تحریک کی مقبولیت کی وجہ:

بیسویں صدی عیسویں کی چوتھی دہائی جو 1931ء سے شروع ہوتی ہے اس کی ابتداء میں علامہ مشرقی نے نیم عسکری تنظیم "خاکسار تحریک" کے نام سے قائم کی اس تحریک کا پیغام سادہ اور پرکشش تھا جس نے نوجوان، کم خواندہ، بے روزگار، اور نچلے طبقہ کو متاثر کیا۔ علامہ مشرقی قادرالکلام خطیب اور ادیب تھے، خود وردی پہن کر بیلچے کے ساتھ عام کارکنوں میں گھل مل جاتے۔ ان کی تقریروں، تحریروں اور بیلچہ بردار وردی پوش، حربی مظاہروں نے برّصغیر بالخصوص پنجاب اور سرحد میں ہلچل مچادی اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے خدمت خلق کے ذریعے اپنے متبعین کو بتدریج باور کرایا کہ اس راستے سے ہی ہٹلر کے انداز میں اسلامی حکومت قائم ہوسکتی ہے۔

علامہ مشرقی کے ملحدانہ نظریات:۔

اپنی اس مقبولیت اور کامیابی کے زعم میں علامہ صاحب نے اپنی عربی، اردو میں مرتبہ کتب "تذکرہ"، "قول فیصل"، "مولوی کا غلط مذہب" اور جاری کردہ رسالہ "الاصلاح" میں قرآنی تفسیر کے پردہ میں "ملحدانہ نظریات" کا پرچار شروع کردیا۔ "اسلامی اصطلاحات" کو باقی رکھتے ہوئے ان کے ایسے معانی بیان کئے جن سے سادہ لوح انسان فوراً دھوکہ کھا سکتا تھا۔ اسی طرح علماء پر تابڑتوڑ حملے شروع کردیئے اور مسلمانوں سے کہا کہ مولوی کا اعتبار نہ کرو اور اس کے کہنے پر نہ چلو نمونہ کیلئے "الاصلاح" کے پانچ اپریل 1935ء کی ایک تحریر یوں ہے جس سے ان کے "اخلاق حسنہ" کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

"خوف ناک ریش دار، سیاہ کار، سیاہ دل، مسخ صورت ملاں، بدافعال، حکومت کا ادنیٰ درجہ کاسہ لیس"

اسی طرح لکھتا ہے کہ مسلمانوں اور اسلام کی اصل خرابی ان کے "مولوی کا غلط مذہب" ہے، جو صدیوں سے انہیں راہ راست سے بھٹکا رہا ہے۔ پشاور کے ایک شخص کے خط کے جواب میں تحریر کیا کہ "مولوی نے دوسو برس سے اسلام پر جھوٹ بولا، قرآن پر جھوٹ بولا، رسول پر جھوٹ بولا"

اپنی کتاب "تذکرہ" عربی اور اردو میں صفحات 43،46، 47، 56 اور 90 پر جو ملفوضات لکھے وہ مختصر اًدرج ذیل ہیں:

1) اسلامی اصطلاعات کے متعلق لکھتے ہیں "اسلام کی بنیاد ان چیزوں پر نہیں رکھی گئی جن پر تم خیال کرتے ہو اور کلمہ شہادت، نماز اور روزہ، حج اور زکوٰۃ ارکان اسلام نہیں۔ خدا کی قسم ہے اسلام کی بنیاد دس اصولوں پر رکھی گئی ہے (اس کے بعد خود ساختہ دس اصول لکھ دیئے)

2) اسلامی مکاتیب فکر کے متعلق لکھا "شیعہ اور سنی"، "حنفی اور شافعی"، "مقلد اور غیر مقلد"، "صوفی اور وہابی" وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں یہ سب جہنم کی تیاری ہے۔

3) علماء اور اسلامی مکاتیب فکر کو یہ "خراج عقیدت" پیش کرنے کے مقابلے میں مغربی لوگوں بالخصوص نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے بارے میں (چونکہ وہ اس وقت برّصغیر میں حکمران تھے) اسی کتاب تذکرہ میں مختلف مقامات پر لکھا کہ

"اس زمانہ میں مغربی لوگ یعنی نصاریٰ ہی ایماندار اور عمل صالح کرنے والے ہیں"، "یہ ہی عالم اور عارف باللہ ہیں"، "متخلّق باخلاق اللہ ہیں"، "نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی اس لئے وہ دنیا میں فلاح پانے والے ہوگئے اور اس میں شک نہیں وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں میں شمار ہوں گے"، "اکثر فرشتے اسی قوم نصاریٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں"۔

عام نصاریٰ کو مذکورہ "اعزازات" بخشنے کے علاوہ اس وقت کے انگریز حکمرانوں کے بارے میں اپنے پیروں کاروں کو احکامات دیئے کہ "انگریز کو ملک کا بادشاہ سمجھ کر اس سے شاہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا جائے۔ یاد رکھا جائے کہ زمین کی بادشاہت دینے والا خدا ہے جس کو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ کسی خدمت کیلئے انگریز کہے تو نہایت مستعد ہو کر اور خلوص سے کی جائے۔۔۔۔ ان کے گھوڑوں کی خدمت کریں"۔ (اشارات صفحہ 27 برائے حوالہ کتابچہ حضرت لاہوریؒ صفحہ 32)

انگریز حکومت نے درج بالا خیالات اور مسلمانوں کی طرف سے خاکسار تحریک مخالفت دیکھ کر اس نیم عسکری تنظیم سے تعرّض نہیں کیا۔

یہ اقتباسات "نمونہ از خروارے" ہیں تفصیل کیلئے اسوقت کے علماء کے مضامین اور کتب دیکھی جاسکتی ہیں بالخصوص امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کی تصنیف "انکار

حدیث کے نتائج" آسانی سے مل سکتی ہے۔

مشرقی نظریات پر ردّ عمل:۔

ان مذکورہ عقائد وخیالات کی وجہ سے اس وقت کے برّ صغیر کے مشہور دینی مراکز دار العلوم دیو بند، بریلی، اور جامع الازہر مصر، بیت المقدس، مکہ مکرمہ اور ترکی کے مفتیان کرام نے فتوے دیئے اور علمی طور پر ان نظریات کا محاکمہ کیا۔ ملک کے مشہور کالم نویس "جناب عطاء الحق قاسمی صاحب" کے والد گرامی "مولانا بہاؤالحق قاسمی صاحب" بھیرہ سے شائع ہونے والے رسالہ "شمس الاسلام" میں 1936ء میں سلسلہ وار مضامین لکھ کر ان خیالات کی علمی تردید کرتے رہے۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ردّ عمل:۔

"جمعیت علمائے اسلام صوبہ سرحد" کے زیر اہتمام پشاور میں 5 اور 6 ستمبر 1937ء "وزیرستان کانفرنس" کا انعقاد ہوا اس سے ایک دن قبل علامہ مشرقی نے پشاور میں ہی ایک بڑے مجمع میں اظہارِ خیالات کیا اور حسب معمول "علمائے کرام" کو بلا استثنیٰ بہت ہی برا بھلا کہا اور انتہائی ناشائستہ الفاظ کہئے جس پر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے۔

اگلے دو دنوں میں "علامہ صاحب" کی اصل حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کا فیصلہ ہوا چنانچہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے آخری اجلاس میں نہایت نرم لب و لہجے اور محبت آمیز الفاظ میں حاضرین کو علامہ کے خیالات ان کی کتابوں سے پڑھ کر سنائے اور اُن لوگوں کو دعوت فکر دی جو علامہ کی تحریک سے متاثر ہو کر ان کے پیروکار بن گئے تھے (پٹھان تو ویسے ہی جنگجویانہ مزاج رکھتے ہیں وہ عسکری مظاہرے دیکھ کر حامی بن چکے تھے)۔ اس پر حاضرین نے حضرت کی رائے سے اتفاق کیا کہ مشرقی کے خیالات اسلام کے

خلاف ہیں۔ بعد میں حضرت لاہوریؒ نے کتابچہ (علمائے اسلام اور علامہ عنایت اللہ المشرقی) تحریف فرمایا اور باحوالہ اقتباسات تحریر کئے۔

جملہ معترضہ:۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت لاہوریؒ نے اپنے مذکورہ خیالات کے باوجود جب قائد اعظم محمد علی جناح صاحب پر خاکساروں کے قاتلانہ حملہ کے بعد حکومت کی طرف سے ان کے خلاف شدید "کریک ڈاؤن" ہوا اور لاہور میں ان کو کوئی جائے پناہ نہ ملی تو ان کو اپنی مسجد شیرانوالہ میں پناہ دی اور حفاظت کی۔

خاکسار تحریک کے خلاف مسلمانوں کے جذبات:۔

مذکورہ بالا واقعہ سے پہلے علماء نے علمی تردید تو جاری رکھی ہوئی تھی۔ 19 نومبر 1937ء کو اکوڑہ خٹک میں غالباً پہلا "عوامی مناظرہ" ہوا جو مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور خاکساروں کے نمائندہ مولانا مروت صاحب کے درمیان ہوا۔ ثالث شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مقرر ہوئے۔ مولانا ہزاروی نے علامہ مشرقی کی کتابوں تذکرہ وغیرہ سے اقتباسات پڑھ کر سنائے اور تقریباً 52 دلائل دیئے جس کا کوئی مسکت جواب مولانا مروت نہ دے سکے۔ اسی طرح ایک اور " ٹکراؤ" ہری پور کے رئیس اعظم اور علاقہ کے تھانہ دار کے بیٹے وغیرہ سے ہوا جو خاکسار تھے۔ یہ مناقشہ جامع مسجد میں ہوا۔ رئیس اعظم کے حکم پر 60، 70 خاکسار مسلح با بیلچہ وردیاں پہن کر مسجد کی اگلی صفوں میں براجمان ہو گئے اور بیلچوں کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا گویا حملے کیلئے پر تول رہے ہیں اس موقع پر مولانا عبدالحی صاحب بھوئی گاڑ اور مولانا شمس الدین صاحب درویش ہری پور بھی موجود تھے۔ کشیدہ اور نازک حالات دیکھ کر مولانا غوث ہزاروی صاحب نے ان حضرات کی تقاریر ختم کرا کر خود منبر سنبھال لیا اور خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا ہماری ان خاکسار بھائیوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے بات رسول اللہ ﷺ کی اور "دین اسلام" کی عزت کی ہے۔ آپ نے تذکرہ میں سے اقتباس پڑھا کہ علامہ مشرقی نے اس میں لکھا ہے (نعوذ باللہ) رسول اللہ مر کر مٹی ہو گئے ہیں۔ اسی طرح اور ملحدانہ عبارتیں پڑھ کر سنائیں اور حاضرین سے ان کے غلط ہونے کی تصدیق کروائی۔ ان حالات کا جب باہر شہر کے نوجوانوں کو علم ہوا تو ہزاروں کی تعداد میں مسلمان مسجد کے اندر اور باہر جمع ہو گئے اس طرح رئیس اعظم، تھانے دار زادہ اور مسلح خاکسار ہزیمت کا شکار ہوئے۔ خاکسار تحریک کے خلاف سرحد اور پنجاب میں زبردست تحریک شروع ہو گئی تھی اکوڑہ خٹک، ہری پور، ٹیکسلا، اٹک، میانوالی، چکوال، بھیرہ، ملہوالی وغیرہ قابل ذکر مراکز تھے۔

علاج بالمثل کا فیصلہ:۔

علاقائی سطح پر یہ فضا بننے کے بعد اسی سال یعنی 1937 کے آخر یا 1938ء کے اوائل میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کی تحریک پر اس مسلح نیم عسکری تنظیم کا علاج بالمثل کرنے کیلئے بھوئی گاڑ میں علماء کے بالخصوص مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا محمد داؤد صاحب کے مشورہ اور تعاون سے "انصار المسلمین" کے نام سے مسلمانوں کی نیم عسکری تنظیم قائم کر دی گئی۔ ادھر ملہوالی ضلع اٹک کے مشہور مجاہد رہنما مولانا گل شیر شہیدؒ نے مولانا ہزاروی ہی کی ترغیب پر میانوالی میں وسط جون 1938ء میں ایک اہم اجلاس بلایا کیونکہ میانوالی کے بھی چند نوجوان خاکسار تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور یہ علاقہ بھی چونکہ جنگجویانہ مزاج کا حامل تھا وہ نوجوان سپاہیانہ مزاج رکھنے کی وجہ سے فوجی پریڈیں دیکھ کر متاثر ہوئے تھے اگر اس علاقہ میں مقابلہ میں عسکری تنظیم نہ ہوتی تو مسلمانوں کا امن وامان خطرے میں پڑھ جاتا چنانچہ اس اجلاس میں بھوئی گاڑ کے مولانا عبدالحی صاحب

کے علاوہ مولانا ظہور احمد بگوی اور کوٹ چاندنہ، ترگ شریف، عیسیٰ خیل، موچھ وغیرہ کے ذمہ دار علماء و با اثر افراد شریک ہوئے۔"فوجِ محمدی" کے نام سے تنظیم بنائی اور علاقہ ٹیکسلا کی "انصار المسلمین" کو اس میں ضم کر دیا گیا اس کے بعد بگوی خاندان کی پہلے سے قائم کردہ "حزب الانصار" اور "انصار الاسلام" بھیرہ اور چکوال کی قاضی منظور حسین صاحب (جو قاضی مظہر حسین صاحب کے بھائی تھے) کی "خدام الاسلام" میانوالی کی "اصلاح المسلمین" اور مرکزی جامع مسجد اٹک کے خطیب مولانا علم الدین کی قائم کردہ "خدائی فوج" جیسی تنظیمیں بھی جو اس موضوع پر مصروف عمل تھیں نے متحد ہو کر نیم عسکری تنظیم منظّم کر کے خاکساروں ہی کے انداز میں مقابلہ کرنے اور اس فتنہ کے انسداد کا فیصلہ کیا۔ مذکورہ تنظیموں میں سے سب سے منظّم اور موثر تنظیم بھیرہ ضلع شاہ پور کی بگوی خاندان کی اول الذکر تنظیم تھی۔

"بگہ" ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادنخان کا ایک موضع ہے۔ بگہ شریف میں یہ دینی خانوادہ سترہویں، اٹھارہویں صدی سے دینی علوم کی ترویج اور روحانی اصلاح میں مصروف رہا ہے جون 1938ء کے متفقہ فیصلہ کے بعد میانوالی میں ستمبر کے مہینے میں اصلاح المسلمین اور انصار الاسلام کا مشترکہ اجتماع ہوا۔ رضا کاروں کی بھرتی شروع ہوگئی اور بگوی صاحب نے "جیوش انصار الاسلام" کو جو پہلے سے بنائے گئے تھے فوج محمدی کا نام دے دیا اور اعلان کر دیا کہ سیاسی طور پر ہر جماعت کا ممبر ہمارا رکن بن سکتا ہے اس لئے کہ یہ سیاسی جماعت نہیں ہے بلکہ مذہبی، اسلامی تنظیم ہے۔

یہ مرکزی ادارہ قائم ہو جانے کے بعد جلد ہی برّصغیر کے طول و عرض میں اس کی شاخیں قائم ہو گئیں بالخصوص ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، لکی مروت، ٹانک، اٹک، پنڈی، چنیوٹ، مری، مکھڈ شریف، زکوڑی شریف، تونسہ شریف، جلال پور شریف، کراچی، سندھ، یوپی، لکھنو، کلکتہ، ڈھاکہ بنگال، اور سری نگر وغیرہ میں۔

ٹیکسلا میں خاکسار تحریک اور انصار المسلمین کی تنظیم :۔

علامہ مشرقی کے افکار سے ٹیکسلا کے نوجوان بھی متاثر ہوئے اور خاکسار تحریک کی شاخ قائم کر لی جس کے رضا کار باوردی ہو کر اور بیلچے اٹھا کر گلیوں میں پریڈ کرتے تھے اس طرح غالبًا مقامی ہندوؤں اور سکھوں پر رعب بھی ڈالتے تھے۔ چند قابل ذکر رضا کار درج ذیل ہیں:

محلّہ پھلائیاں سے ملک مظفر دین جو سالار تھے، بابا گلاب، حسن دین، میاں غلام یحییٰ، کھیلا خورد سے ماسٹر محمد رفیق (شیخ محمد انور سابق ایم پی اے کے والد)، غلام محی الدین، شیخ عطا محمد عرف طایا، بشیر قریشی، فقیر شاہ، موہڑہ سے سردار صادق شاہ، کرم دین بٹ، میر عبدالرحمٰن ٹھیکیدار، ماسٹر حافظ غلام ربانی، عثمان کھٹڑ سے ماسٹر عبدالغنی اور جولیاں سے ماسٹر اکبر۔

اگرچہ یہ تنظیم گذشتہ صفحات میں ذکر کردہ جذبہ سے ہی بنائی گئی تھی لیکن مذکورہ حضرات میں سے پڑھے لکھے افراد علامہ مشرقی کے مذہبی افکار سے بھی متاثر ہونے لگے اور "منکرین حدیث" بننے لگے، بعض کمیونسٹ بھی ہو گئے جن میں سے چند ایک کے موت سے قبل تائب ہونے کی اطلاعات بھی ہیں۔

بہر حال اس صورتحال کو دیکھ مولانا محبوب عالم صاحب، مولانا علاء الدین صاحب اور مولانا محمد داؤد صاحب نے باہمی مشورہ سے بھوئی گاڑ میں طے کردہ "انصار المسلمین" کی شاخ ٹیکسلا میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

انصار المسلمین کی وردی اور شناخت :۔

"مولانا محمد گل شیر شہید" کی سوانح حیات کے صفحہ 123 پر درج ہے کہ اس تنظیم کے رضا کاروں کی وردی خاکی شلوار قمیض مقرر ہوئی۔ بیج سبز رنگ کا "نصرت" کے نام سے تھا اور بیلچے کی جگہ بانس کا پانچ فٹ کا ڈنڈا ہاتھ میں اٹھایا جاتا۔ ٹیکسلا کا ایک سابق فوجی محمد جان انصار کے نوجوانوں کو کاشن دیتا تھا (یہ ریٹائرڈ کرنل تھے اور موجود مسجد اہل حدیث ریلوے روڈ کے امام و خطیب تھے نقشہ جات بنانے کے بھی بڑے ماہر تھے)۔ پریڈ کے الفاظ "مین"، "سار" تھے جو عربی الفاظ یمین، یسار کے مخفف تھے۔ پرانے مقامی بزرگوں کے مطابق بیلچے کے مقابلے میں لکڑی کی مصنوعی بندوق بھی ہوتی تھی اس میں بارود بھر کر جب چلایا جاتا تو زوردار دھماکہ ہوتا۔ "انصار المسلمین" کی پریڈ کیلئے موجود عیدگاہ پر بگل بجایا جاتا جس کی بڑی بلند گونج دار آواز ہوتی تھی۔

ٹیکسلا کی تنظیم کے سربراہ مولانا محمد داؤد صاحب اور سالار شیخ عبدالعزیز صاحب، جبکہ عسکری امور کے نگران مولانا محمد جان مذکور تھے۔ رضا کار محلّہ کھیلا اور پھلائیاں وغیرہ کے تنومند، دراز قد، جرات منداور بہادر نوجوان تھے جن کے مظاہروں سے انگریز حکمران، باقی اضلاع کے علماء و رضا کار اور مجاہدین بڑے متاثر ہوئے اسی لئے جون 1939ء کو" کالاباغ ضلع میانوالی" میں مختلف تنظیموں نے (جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہیں) "ادارہ عالیہ عسکریہ محمدیہ" بنایا۔ مشترکہ رضا کار نیم عسکری تنظیم کا نام "محمدی فوج" رکھا اور اس ادارہ کا صدر مقام "ٹیکسلا" کو بنا کر امیر العسا کر مولانا محمد جان اور ناظم مولانا محمد داؤد صاحب کو مقرر کیا۔ تقریباً دو سال ٹیکسلا ہی صدر مقام رہا۔ اس ادارہ کے مرکزی قائدین نے 17 اپریل 1939 کو ٹیکسلا کا دورہ کیا۔ اور جلسہ عام خطاب بھی کیا۔

انصار المسلمین کے مشہور کیمپ :

اسکے بعد ٹیکسلا کی تنظیم نے 24,25 جون 1939ء کو ایبٹ آباد، 2 جولائی کو لوسر شرفو، اور 28,29,30 جولائی کو اٹک میں اپنے کیمپ قائم کئے اور شاندار عسکری مظاہرے ہوئے ۔اس سے پہلے فروری 1939ء میں بھیرہ میں وہاں کی تنظیم کی دعوت پر ٹیکسلا کے رضا کار 200 میل یعنی 320 کلومیٹر کا سفر سائیکلوں پر طے کر کے پہنچے اور حربی مظاہرے اور کیمپ میں شرکت کی جس کو تقریباً 30 ہزار مسلمانوں نے دیکھا اس موقع پر وہاں کے مقامی رضا کاروں کے علاوہ چکوال کے رضا کاروں نے بھی شرکت کی۔

ٹیکسلا کے علماء و رضا کاروں کو خراج تحسین:۔

کتاب "تذ کار بگویہ" جلد اول کے صفحہ 815 پر مولانا ظہور احمد بگویؒ لکھتے ہیں کہ

"ٹیکسلا کے باہمت، مخلص، اور سرگرم کارکنوں نے تحریک کو جس خلوص اور ایثار سے کامیاب بنایا اس کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی کے برابر ہوگا۔ فوج محمدی کی تحریک میں انصار المسلمین ٹیکسلا کے کارکنوں کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد داؤد، مولانا حکیم محبوب عالم صاحب، مولوی محمد جان، مولوی علاؤالدین کی خدمات لائق تحسین و آفرین ہیں۔اللہ تعالٰی ان اکابر کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں ملت اسلامیہ کیلئے بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین"

دستور العمل میں تبدیلی:۔

حکومت پنجاب نے جب 1940ء میں عسکری مظاہروں اور پریڈ وغیرہ پر پابندی عائد کردی تو جولائی 1940ء کے میانوالی میں منعقدہ سالانہ اجلاس میں مذکورہ ادارے کہ دستور العمل میں مناسب تبدیلی و ترمیم کر کے ادارہ کا مرکز بھیرہ بنا دیا گیا اور مولانا محمد داؤد صاحب کو "قائد ضبط" جبکہ مولانا عبدالحی صاحب (بھوئی گاڑ) کو "قائد احتساب" کا منصب سونپا گیا۔

۔اس اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ اب تبلیغی، اصلاحی اور فلاحی کام شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ آئندہ کیلئے درج ذیل لائحہ عمل طے کیا گیا۔

1) محلے، قصبے کے بے کس افراد کی روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ بلا معاوضہ خدمت۔(2) لوگوں کو روزانہ نماز پڑھنے کی ترغیب۔

3) مساجد کی آبادکاری وصفائی (4) معاشرے میں اسلامی احکام کی تبلیغ (5) ناواقف لوگوں کو اسلامی تعلیمات

6) ہفتہ وار مجلس مشاورت میں اخلاق کی اصلاح، اسلامی تعلیمات اور معاشرے کی بہبود پر تقاریر اور کارکردگی کا جائزہ۔

7) درس قرآن و مکتب کا اہتمام اور مسلمان بچوں کی تعلیمی و مذہبی حالت کی نگرانی۔

فوج محمدی کے ہر رکن کیلئے ایک اقرار نامہ پر دستخط کرنا ضروری تھا اور ان کو "رضا کاران اسلام" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد داؤد صاحب نے اپنے علاقہ خصوصاً ٹیکسلا میں نئے طے شدہ لائحہ عمل پر خود بھی کام شروع کر دیا اور باقی تنظیموں کو بھی اسی کام پر لگا دیا۔ان اقدامات کے اثرات سے خاکسار تحریک کے پھیلاؤ میں ٹھہراؤ اور وسعت میں کمی واقع ہوگئی۔

علامہ مشرقی کی سیاسی کوشش اور تدارک:۔

علامہ عنایت اللہ المشرقی نے انگریز حکمرانوں کی طرف سے "خاکساریت" کی مزاحمت نہ کرنے اور پروگرام کے پھیلاؤ کو دیکھ کر اس وقت کی حکومت پنجاب سے راہ ورسم پیدا کر کے یہ مطالبہ اور کوشش شروع کر دی تھی کہ گورنمنٹ از روئے قانون اسے مسلمانوں کا امیر تسلیم کرے اور بذریعہ قانون تمام مسلمانوں سے زکٰوۃ و صدقات فراہم کر کے اس کے بیت المال میں جمع کیا کرے۔اور الحاد و دہریت کی اشاعت کے لئے اسے براڈ کاسٹنگ سٹیشن قائم کرنے کی اجازت عطا کی جائے۔تقریباً ایک سال ان امور کے متعلق حکومت کے ساتھ علامہ مشرقی کے راز و نیاز کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور حکومت یہ سمجھتی تھی کہ سابق انڈر سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا اور حال گورنمنٹ پنشنر حکومت کی منشاء کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتا اس لئے مشرقی صاحب کے مطالبات پر ہمدردانہ غور شروع ہو گیا۔

اس حوالے سے جب فوج محمدی کے سربراہان کو اطلاع ہوئی تو 22 اکتوبر 1938ء کو میانوالی میں عظیم الشان مظاہرے کے بعد اجتماع میں اس موضوع پر ایک قرارداد منظور کر کے حکومت کو بھی متنبہ کیا گیا اور مسلمانوں کو بھی متوجہ کیا گیا کہ ہر جگہ جلسے، جلوس کر کے اس منصوبے کے خلاف احتجاج کریں اور روکنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔مشرقی صاحب مایوس ہو کر مسلم لیگ کے خلاف ہوگئے، قیام پاکستان کی مخالفت کی حتٰی کہ ایک خاکسار نے قائد اعظم پر حملہ کر دیا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

تحریک مدح صحابہ لکھنو میں "فوج محمدی" کا کردار:۔

لکھنو میں موجود دیرینہ "سنی، شیعہ" کشیدگی جو انگریز حکومت کی "Divide and Rule" پالیسی کا حصہ تھی 1941ء میں بہت شدت اختیار کرگئی۔شیعوں کے قدح صحابہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مدح صحابہ کے جلوس نکلنے لگے۔حکومت نے بداندیشی سے مسلمانوں کے جلوسوں پر پابندی لگا کر اور قائدین کو گرفتار کر کے برصغیر کے مسلمانوں کو

مشتعل کردیا تو ملک کے طول وعرض میں تحریک مدح صحابہؓ شروع ہوگئی اور قافلے لکھنؤ روانہ ہونے لگے۔اس سلسلہ میں مولانا ظہور احمد بگوی نے فوج محمدی کے زیر اہتمام بہت سے مقامات کا دورہ کر کے مسلمانوں کو بیدار کیا اور رضا کار قافلوں کی لکھنؤ روانگی کیلئے لاہور میں ایک عارضی دفتر قائم کیا۔پہلا قافلہ فوج محمدی کے رضا کاروں کا 18 جون 1941ء لاہور سے لکھنؤ روانہ ہوا تو 20 جون کو مولانا بگوی کو گرفتار کرلیا گیا۔اسی طرح راستے میں ہی مذکورہ رضا کاروں اور اس کے علاوہ "مجلس احرار اسلام" کے رضا کاروں کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔تقریباً چار پانچ ہزار مسلمان گرفتار ہوئے۔جس کے خلاف ملک بھر میں احتجاج شروع ہوگیا تو حکومت نے مجبوراً ایک ماہ بعد سنیوں کے مطالبات ماننے اور اسیران تحریک صحابہ کو رہا کرنے کا فیصلہ کردیا۔

فوج محمدی کا "جمعیت علمائے ہند" کے ساتھ الحاق:۔

کالاباغ میں 11 جون 1942ء کو تبلیغی کانفرنس ہوئی جس میں بہت مشہور ملکی وعلاقائی مشائخ کرام، علمائے کرام ومعززین نے شرکت کی اور مجلس شوریٰ میں جمعیت علمائے ہند کے ساتھ الحاق کا اعلان کردیا کہ اعلاء کلمۃ الحق اور شریعت کے احکام کے موافق خدمت اسلام کے لئے فوج محمدی کے "انصار" جمعیت کے "نظام رضا کاران" کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔اس اجلاس میں ٹیکسلا سے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب خود شریک ہوئے اور اس کانفرنس کے بعد اس فیصلہ پر کاربند ہوگئے۔

ایک دلچسپ واقعہ:۔

انصار المسلمین ٹیکسلا کا ذکر ختم کرنے سے پہلے جون 1939ء میں ایبٹ آباد میں ہونے والا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرنا ضروری ہے تاکہ اس تنظیم کے ڈسپلن اور مجاہدین ٹیکسلا کی جرات وہمت، بے خوفی، اطاعت امیر اور قوت وشوکت کا عملی مظاہرہ واضح ہوسکے۔خاکساروں نے ایبٹ آباد کے ڈپٹی کمشنر سے وہاں کیمپ لگانے کی اجازت لی تو وہاں کے مسلمانوں نے ٹیکسلا مرکز سے رابطہ کیا اس پر مولانا محمد داؤد صاحب نے مذکورہ تاریخوں میں ایبٹ آباد میں اپنا کیمپ قائم کیا۔دوران کیمپ وہاں کا ڈپٹی کمشنر اور ایک انگریز کرنل معائنہ کیلئے آئے، حضرت مولانا اس وقت اپنے خیمے میں آرام فرما تھا۔مذکورہ حضرات معائنہ کرتے ہوئے کیمپ کے اس حصہ کی طرف آئے اور اندر جانے کی کوشش کی جس میں امیر صاحب داخلہ ممنوع قرار دیا ہوا تھا۔گیٹ پر متعین رضا کار نے ان حضرات کو روکا تو ڈپٹی کمشنر نے رعب ڈالا، انگریز افسر کا تعارف کرایا اور زبردستی اندر داخل ہونے کیلئے بڑھے تو اس رضا کار نے جو ایک تنومند، طاقت ور جوان تھا ڈپٹی کمشنر یا انگریز افسر کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا چنانچہ شور مچ گیا اور امیر کیمپ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اگر آپ نے تشریف لانا تھا تو ہمیں اطلاع کرتے تاکہ یہ ناخوشگوار واقعہ نہ پیش آتا، یہ رضا کار تو نظم کے پابند ہیں اس پر وہ انگریز افسر انتہائی متاثر ہوا اور کیمپ کے ڈسپلن اور نظم وضبط کی تعریف کرتا ہوا واپس ہوگیا۔مذکورہ رضا کار گھیلا خورد کی موجودہ مسجد امیر معاویہ (سابق مسجد ترکھاناں والی) کے محلّہ میں آباد مشہور کشمیری خاندان جسے عرف عام میں رتہ خاندان کہتے ہیں کا ایک بہادر نوجوان شیخ کرم الٰہی مرحوم تھا جو شیخ شوکت علی المعروف شوکت اللہ مدنی کے تایا تھے اور بعد میں سکھوں سے مقابلہ میں شہید ہوئے۔

اس تذکرے میں حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کا ایک مکتوب جو انہوں نے ادارہ کے بانی امیر کو لکھا وہ آپ کی دور اندیشی، انتظامی صلاحیت، اصابتِ فکر کو ظاہر کرتا ہے وہ من وعن درج کیا جاتا ہے۔

"حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ

کل مکرمی حاجی افتخار احمد صاحب کی طرف سے مع جناب کے مختصر نوٹ کے نوازش نامہ موصول ہوا۔جس پر یہ فیصلہ کرلیا گیا تھا کہ بہرحال مقرر فرمودہ تعداد میں سپاہی ضرور روانہ کئے جاویں گے۔اور کل سے ہی نقدی کے متعلق بھی کوشش شروع کردی گئی کیونکہ جماعت کی حالت یہ ہے کہ ہر ماہ میں ماہواری چندہ آنے پر سابقہ قرضے بمشکل ادا کیئے جاتے ہیں۔آج آپ کے نوازش نامہ نے معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔مولانا بلاشک ہماری جماعت بفضلہ تعالیٰ "مشرقی" کے مریدوں کو اپنے علاقہ میں ترکی بہ ترکی جواب دیتی رہی ہے اور میرے خیال میں اتنی ناکامی اور پریشانی انہیں کسی اور علاقہ میں نصیب نہ ہوئی لیکن افسوس وہ سب بہترین جن سے ہم یہاں کام لیتے ہیں وہاں نہیں لے جاسکتے اور بغیر مکمل تیاری کیئے دشمن کے مقابلہ میں جانا خطرہ سے خالی نہیں۔

میرے خیال میں ان تاریخوں میں وہاں پر حزب الانصار یا انصار المسلمین کی طرف سے باقاعدہ کیمپ ہونا چاہیئے۔ہر روز مقررہ وقت پر مصنوعی جنگ ہو اور روزانہ باوردی سپاہی شہر کے مختلف حصوں میں گشت لگائیں۔اس کے ساتھ ہی جلسہ میں مشرقی کے عقائد کی خوب خبر لی جاوے۔یہ سب چیزیں مل ملا کر انہیں نکال سکتی ہیں صرف چند سپاہیوں کا باوردی موجود ہونا ملائیت کا انتقامی جذبہ قرار دیا جاتا ہے اور بس۔نہ یہ تردیدی حربہ بن سکتا ہے اور نہ ہی جذبہ قلوب کا ذریعہ۔اور میرے خیال میں اس پر اپنی غریب قوم کی جیبوں سے اتنی کثیر رقم نکالنا بھی گناہ سے کم نہیں۔

ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ سامان جنگ اور اتنے سپاہی لے کر وہاں پہنچ جائیں جو جنگ میں ایک فریق بن کر مصنوعی جنگ کا نظارہ پیش کر سکیں لیکن باقی ضروریات صرف آپ کے بس کا روگ ہے۔

مقامی اور وقتی ضروریات:۔

1) کم از کم بارہ خیمہ جات مہیا کرنا۔ 2) جلسہ گاہ کے قرب و جوار میں کوئی میدان کیمپ کیلئے منتخب کرنا یا فریق مخالف کے کیمپ کے نزدیک ہی کوئی مناسب مقام منتخب کیا جاوے۔

3) ایک ہی وردی کے پچیس پچیس سپاہیوں کے کم از کم تین دستے موجود کرنا۔

خیمہ جات کے کرایہ پر زیادہ سے زیادہ سات آٹھ روپیہ صرف ہوں گے۔ علیٰ ہذا روشنی کے انتظام پر بھی زیادہ سے زیادہ تین روپے صرف ہونگے لیکن نتیجہ کی قیمت دس ہزار بلکہ دس لاکھ سے بھی کہیں زیادہ ہوگی۔

کیا یہ چیزیں آپ مہیا فرما سکتے ہیں۔ اگر ہوسکتی ہوں تو بہت جلد واپسی اطلاع دیویں تاکہ ہمارا کوئی فوجی افسر پہلے آ کر کیمپ لگا دے۔

والسلام محمد داؤد از ٹیکسلا

یہ خط غالباً فروری 1939ء میں بھیرہ کے کیمپ سے پہلے لکھا گیا تھا۔

نوٹ:۔ انصار المسلمین / فوج محمدی کے حوالہ سے مذکورہ معلومات کا غالب حصہ "مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ" کی طرف سے شائع شدہ کتاب "تذکار بگویہ" جلد اول سے ماخوذ ہیں۔ حتی الامکان اختصار کی کوشش کی ہے تفصیلات مذکورہ کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کی قابل تحسین پالیسی:۔

یہ بات خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کہ ان چار سالوں 1938 سے 1942ء تک ٹیکسلا میں مضبوط خاکسار تحریک اور بے مثال انصار المسلمین کی سرگرمیوں کے باوجود کوئی خاص باہمی ٹکراؤ نہیں ہوا، نہ ہی ذاتی دشمنیوں تک نوبت پہنچی اور نہ ہی مستقبل میں کوئی مناقشت یا نفرت کا ماحول پیدا ہوا، بلکہ دونوں طرف کی اہم شخصیات اور خاندانوں میں باہمی بھائی چارے کا ماحول برقرار رہا اور اس کا خیر کا سہرا حضرت مولانا محمد داؤد صاحب کی حکمت عملی کے سر ہے۔

متفرق واقعات، ملفوظات، اوصاف، کرامات، پسندیدہ اشعار

متفرق واقعات اور ارشادات

علامہ کاشمیریؒ کے ہمراہ گولڑہ حاضری:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ گولڑہ میں پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا۔ جب ہم گولڑہ پہنچے تو پیر مہر علی شاہ صاحبؒ اُس وقت طلبہ کو سبق پڑھا رہے تھے۔ دورانِ سبق ایک موقع پر علامہ انور شاہ صاحبؒ نے سبق سے متعلق ایک علمی سوال کر دیا تو پیر صاحبؒ نے اُس کا جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور سوال کیا پیر صاحب نے اُس کا بھی جواب دیا۔ اس طرح وقفہ وقفہ سے آپ نے کئی سوال کئے تو اچانک پیر صاحبؒ بول اُٹھے کہ بھائی تم انور شاہؒ تو نہیں ہو۔ شاہ صاحبؒ مسکرا اُٹھے اور اثبات میں سر ہلایا تو پیر صاحب نے محبت سے فرمایا کہ بھائی بوڑھوں کو تنگ نہیں کیا کرتے۔ پھر احترام سے شاہ صاحب کو اپنے پاس بٹھالیا۔

غازی علم الدین شہیدؒ سے دوستی:۔

آپؒ نے فرمایا کہ لاہور میں قیام کے دوران غازی علم الدین شہیدؒ سے دوستی اور تعلق تھا۔ وہ بہت غریب آدمی تھا اور روزگار بھی کوئی مستقل نہ تھا۔ سردی کے دنوں میں اکثر اس کے بدن پر نا کافی کپڑے ہوتے اور وہ سردی کا نپ رہا ہوتا۔ اکثر تنور والوں کے پاس جا کر بیٹھ جاتا تا کہ آگ سینگتا رہے۔ ہمیں اُس کی حالت پر ترس آتا اور اُس کو کام وغیرہ کرنے کے متعلق کہا کرتے لیکن وہ ہماری بات کو ٹال جاتا۔ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ گمنام سا شخص کتنا بڑا کام سرانجام دے گا اور شہادت کا رتبہ حاصل کرے گا۔ آخر اس کی شہادت پر اُس کا احترام دل میں بیٹھ گیا۔

لاہور کے ایک مجذوب کا واقعہ:۔

لاہور میں قیام کے دوران ایک مجذوب قسم کا آدمی ہمارا دوست بن گیا وہ ہم دوستوں کی مجلس میں آتا اور بیٹھا رہتا اور اچانک وہ کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ بھائی میں اپنے دوست سے مل کر آتا ہوں۔ عام طور پر ہمیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ اُس کا دوست کون ہے؟ اور وہ کس سے مل کر آتا ہے ایک دن مجھے تجسس پیدا ہوا اور میں مجلس میں اس کے اچانک اٹھ کر جانے پر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا کہ دیکھوں اس کا کون دوست ہے جو یوں شوق سے اس کی ملاقات کیلئے جاتا ہے۔ وہ چند گلیاں مڑ کر ایک گمنام سی مسجد میں گیا اور وہاں وضو کر کے اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں مصروف ہو گیا اور ساتھ ہی تضرع وزاری شروع کر دی۔ میں نے یہ دیکھا تو اسکی عظمت دل پر اتر گئی اور اُس کا خوب احترام کرنے لگا۔ لیکن کسی طرح اُس کو اِس بات کا پتہ چل گیا کہ میرا راز فاش ہو گیا ہے تو اس کے بعد ہماری مجلس میں اُس نے آنا چھوڑ دیا.

لاہور کے ایک افیمی کا توکل:۔

لاہور قیام کے دوران کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک افیمی شخص تھا جو شاید افیم تو نہ کھاتا ہو لیکن بھیس یہی بنایا ہوا تھا اور اپنے پاس ایک ڈبیہ میں افیون ہوتی تھی جب اس کی ڈبیہ میں افیون ختم ہو جاتی تو ڈبیہ پھینک دیتا اور خوب گڑگڑا کر روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ یا اللہ میں تیرا بندہ ہوں تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے مجھے تو افیون چاہئے اگر تو میری افیون کا بندوبست نہیں کرتا تو پیدا ہی کیوں کیا تھا تیری مخلوق میں کتنے ہی کُتے بھونک رہے ہیں اور تو پھر بھی اُن کو روزی دے رہا ہے اگر میں بھونک گیا ہوں تو مجھے معاف کر دے۔ اتنا روتا کہ لوگوں کو ترس آ جاتا۔ دوسرے دن پھر وہی کچھ کرتا، فرمایا کرتے تھے عام آدمی کے لئے تو اس طرح کی چیز مانگنا گستاخی ہے۔ وہ مجذوب تھا اس لئے اسے معاف ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اللہ کی شان کوئی نہ کوئی آ کر اُس کی ڈبیہ میں افیون ڈال دیتا اور اُسکی ڈبیہ پھر بھر جاتی۔

حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی مشفقانہ نصیحت؛

آپؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ دیوبند مدرسہ میں دورانِ تعلیم ہم طالبعلم وضو کرتے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اِس دوران حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ تشریف لے آئے اور میری پُشت پر دستِ مبارک رکھ کر فرمایا مولوی داؤد۔ وضو کے دوران دنیاوی باتیں نہیں کرتے فرمایا اُس کے بعد تقریباً چالیس سال تک وہ ہاتھ کا لمس محسوس کرتا رہا اور دوران وضو وہ کیفیت یاد آتی رہی.

مخلوق خدا پر شفقت؛

جناب کفایت اللہ صاحب جنہیں آپؒ نے اُن کی درخواست پر منہ بولے بیٹے کا درجہ دیا ہوا تھا، حضرت کا بیان کردہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک طوفانی بارش کی رات میں ہم نے اپنے بچوں کو اس لئے سُلا دیا کہ بجلی کی کڑک اور شدید بارش کی وجہ سے کھانا تیار کرنا مشکل ہو گیا تھا آدھی رات کے قریب محسوس ہوا کہ ایک کُتا گلی میں بھوک کی وجہ سے زور زور سے

آوازیں نکال رہا ہے میں نے اپنی اہلیہ محترمہ کو جگایا ایک روٹی پکوائی اور خود جا کر اُس کُتے کے سامنے ڈال دی اِس واقعہ کے بعد اللہ تعالی نے مجھ پر وہ کرم نوازیاں کیں جو نا قابل بیان ہیں؛

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مزاج میں تفاوت؛

جناب کفایت اللہ صاحب نے ہی بتایا کہ ایک بار میں نے حضرتؒ سے سوال کیا کہ لوگ حج سے واپس آکر زیادہ مدینہ منورہ اور روضہ مبارکہ کا تذکرہ کیوں کرتے ہیں تو حضرت نے ارشاد فرمایا اس لئے کہ بیت اللہ شریف میں اللہ جل شانہ کا جلال ہے اور مسجد نبوی ﷺ میں رحمت کائنات ﷺ کا جمال ہے جس کا اب بھی اثر ہوتا ہے اور لوگ اُسی کو یاد کرتے رہتے ہیں؛

ایک عاشق رسول ﷺ کا واقعہ؛

موصوف نے ہی بیان کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے ایک دفعہ سنایا کہ حج کے دوران روضہ اقدس ﷺ پر حاضری کے وقت ایک نائجیرین مسلمان میرے ساتھ تھا ۔اُس نے فرطِ عقیدت و محبت میں جالی مبارک کو پکڑا اور بے تحاشا چومنے لگا۔ یہ دیکھ کر محافظوں نے اُسے مارنا شروع کر دیا اور بہت زدوکوب کیا جو وہ سہتا رہا۔ میں اُسے ساتھ لے کر قیام گاہ پر آیا تا کہ اُسے گرم پانی وغیرہ سے سینکوں، مگر اس نے کہا کہ مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی فرمایا اپنے پیارے نبی ﷺ سے دلی محبت اور عشق کی وجہ سے اُسے یہ مار پیٹ بھی راحت محسوس ہونے لگی

خوف آخرت اور عجیب نکتہ؛

کفایت اللہ صاحب کہتے ہیں کہ ایام علالت میں جب کبھی عیادت کیلئے حاضری ہوتی تو فرماتے کہ دعا کریں ایمان پر خاتمہ ہو جائے۔ساتھ ہی ارشاد فرماتے کہ انسان کی دنیاوی معاشرہ میں جتنی قدر و منزلت اور قابل عزت مقام ہوتا ہے، اُسی کے مطابق اس سے حساب لیا جاتا ہے۔اس کے فرائض و ذمہ داریوں میں اتنا ہی اضافہ ہو چکا ہوتا ہے جس کی جوابدہی مشکل ہو جاتی ہے

عقیدت مندوں کے دعوے کی لاج؛

موصوف بتایا کرتے تھے کہ میں کراچی سے ٹیکسلا آکر مقیم ہوا تو اپنے مرشد کے حکم پر ایسا حکیم تلاش کرنے لگا جس سے قریبی تعلق قائم کروں چنانچہ اللہ تعالی نے رہنمائی فرمائی اور میں مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے پاس حاضر ہوا مقصد عرض کیا تو آپ نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے اپنا بیٹا بنالیا اور میری اہلیہ کو بیٹی فرمانے لگے اس کے بعد جب تک زندگی رہی ہم سے اپنی اولاد کی طرح ہی سلوک کیا ہر دکھ سکھ بیماری پریشانی خوشی غمی میں اپنے آرام کو قربان کر کے اور سفر حضر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے ہمارے ساتھ تعاون جاری رکھا اور سرپرستی فرماتے رہے حالانکہ ہم اپنی ناسمجھی کی وجہ سے بارہا اُنہیں ناجائز تنگ کرتے رہے لیکن اُنہوں نے کبھی بھی ہمارے سوال پر انکار نہیں فرمایا۔آپ کے ایثار و قربانی شفقت و محبت کی مثال ملنی اس دور میں بہت مشکل ہے

اکابر سے عقیدت کا اظہار؛

شیخ عبدالروؤف صاحب نے بتایا کہ میں حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے ساتھ ایک دفعہ دوران سفر بالاکوٹ شہداء کے مزارات پر حاضر ہوا اور کچھ اُن کے مخالفین (جو نعوذ باللہ اپنی جہالت کی وجہ سے شہداء کو گستاخ رسولؐ اور کافر کہتے تھے) بھی ہمراہ تھے جب ہم دعا کر کے واپس نکلنے لگے تو مجھ پر تو گریہ کی حالت تھی ہی، میں نے دیکھا کہ وہ ساتھی بھی رو رہے ہیں میں نے حضرتؒ سے صورتحال عرض کی تو فرمایا وہ اللہ تعالی کے مقبول بندے ہیں اُن پر ہر وقت سکینہ کا نزول ہوتا ہے جو بھی حالت ایمان میں وہاں جائے گا اُس پر اِس سکینہ کا اثر ضرور ہوگا۔

ولی را ولی مے شناسد:۔

ٹیکسلا کے سینکڑوں دیندار نوجوانوں کے شیخ طریقت حضرت قاضی زاہد الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہ عموماً عید کے دن ملنے کیلئے جانے والے متعلقین کو حکم فرماتے کہ تم لوگوں نے حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ کے مقام کو نہیں سمجھا اور فائدہ بھی نہیں اٹھایا وہ اللہ کے بہت مقبول بندے تھے اور خود کو ظرافت کے پردے میں چھپایا ہوا تھا تم سب یہاں سے سیدھے اُنکی قبر پر جاؤ اور میرا اسلام کہو خود بھی اُن کے وسیلہ سے اپنے لئے دعائیں مانگو۔

اضطراری کیفیت میں دعا کی قبولیت؛

آپ نے اپنے بہاولپور قیام کے دوران کا ایک چشم دید واقعہ کئی بار بیان فرمایا کہ جب انسان سچے دل سے خوب توجہ کے ساتھ اللہ سے مانگے تو وہ ضرور دعا قبول فرماتے ہیں فرمایا وہاں کے ایک نواب صاحب سے میری دوستی تھی ایک بار اُن کے خاص الخاص مہمان آئے اور نواب صاحب نے اُنہیں اپنے پالے ہوئے باز سے شکار دیکھنے کی دعوت دی نواب صاحب کے خادم خاص نے باز کو تیار کر کے کندھے پر بٹھایا اور مہمانوں کا انتظار کرنے لگا شومئی قسمت کہ اس دوران ایک خطرناک قسم کا طاقتور بلاّ کہیں سے آ گیا اور جھپٹ کر باز کی گردن دبوچ لی باز نے بھی اپنے مضبوط بازوؤں سے اُس بلّے کو جکڑ لیا اور اس کشمکش میں دونوں جان سے چلے گئے یہ دیکھ کر خادم بیچارے کا خون خشک ہو گیا

کہ اب تو نواب صاحب مجھے بھی جان سے مار دیں گے اس اضطراری کیفیت میں اُس نے اپنے رحیم رب سے اِس انداز میں التجائیں کیں کہ فوراً دعا قبول ہوئی اور جب نواب صاحب مہمان کے ہمراہ باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل کو پھیر دیا وہ بجائے غصہ کرنے کے یہ منظر دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور مہمان سے کہا کہ دیکھو میرے شیر نے کس بہادری سے بلّے کو جکڑا ہوا ہے اور اپنی جان دیتے ہوئے اُس کو بھی مار ڈالا ہے چنانچہ نواب صاحب نے بجائے ناراض ہونے کے نوکر کا شاباش دی اور انعام بھی دیا اِس پر خادم نے سجدہ شکر ادا کیا

اکابر کا ذکر خیر:۔

مولانا محمد داؤد صاحبؒ اکثر حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کا واقعہ بڑے ذوق وشوق سے سنایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کیلئے پورا نظام بدل دیتے ہیں انگریز نے حضرتؒ کو مالٹا میں اس لئے قید کیا کہ وہاں کا موسم بہت خراب ہوتا تھا لیکن حضرت جب مالٹا کی جیل میں گئے تو وہاں بارشیں شروع ہو گئیں اور موسم اس قدر خوشگوار ہو گیا لوگ سیر وسیاحت کیلئے وہاں آنے لگے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کیلئے پورا نظام بدل دیتے ہیں

اللہ والے فقیر کا واقعہ؛

فرمایا ایک دفعہ میں بازار سے گزر رہا تھا ایک فاحشہ عورت اور اس کا یار جا رہے تھے راستہ میں ایک بوڑھے بوسیدہ کپڑوں والے فقیر کا اتفاقاً ہلکا سا دھکا اس عورت کو لگ گیا تو اس کے یار نے زوردار تھپڑ اُس غریب کو مارا۔اُس فقیر نے آسمان کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا تھوڑی دور جا کر اس عورت کا پاؤں پھسلا وہ گر پڑی اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی وہ دونوں فوراً سمجھ گئے کہ اس فقیر پر ظلم کا یہ بدلہ ہے وہ فوراً پلٹے اور اس فقیر سے معافی مانگنے لگے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تمہیں بددعا نہیں دی البتہ جب تم نے مجھے مارا تو میں سمجھ گیا کہ عورت تمہاری دوست ہے اس کو دھکا لگا تو تم نے دوستی کا حق ادا کیا، میرا بھی ایک دوست ہے، میں نے اس کی طرف آسمان کو دیکھا کہ وہ کیا کرتا ہے، چنانچہ میرے دوست کو بھی غیرت آئی تو اس نے میر بدلہ لے لیا.

پیر فاضل شاہؒ صاحب کی نفس کُشی ؛

پیر صاحب ایک بار اپنے مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے آپ کے پیچھے کئی مریدین تھے اچانک پیر صاحب نے تیز تیز قدموں سے چلنا شروع کر دیا اور مریدین پیچھے رہ گئے سب نے آگے جا کر ایک کشتی پر سوار ہونا تھا پیر صاحبؒ ملاح سے بات چیت کرنے لگے کہ اچانک دونوں میں لڑائی ہوگئی اور بات چیت بڑھ جانے پر ملاح نے پیر صاحبؒ کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا مریدین دوڑے ہوئے گئے اور اس سے الجھنے لگے تو پیر صاحبؒ نے ان کو روک دیا اور اس واقعہ کے متعلق خاموش رہنے کا حکم دیا دریا پار کرنے کے بعد کسی مرید نے واقعہ کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تم میرے پیچھے چل رہے تھے تو میرے نفس نے فخر اور تکبر کیا کہ میں کتنا بڑا آدمی ہوں چنانچہ میں نے اس کا علاج کرنے کیلئے ملاح سے کرایہ طے کر کے اس کو رقم اپنی جوتی میں رکھ کر دی جس پر اس کو غصہ آ گیا اور مجھے گرا دیا۔

آزمائش پر ایثار اور نتیجہ؛

قیام دہلی میں طبیہ کالج کی تعلیم کے دوران ہم تینوں بھائی اکٹھے رہتے تھے بڑے بھائی صاحب کو ایک روٹی ملتی تھی رات کو پڑھائی سے فارغ ہو کر سب سے پہلے میں آتا اور روٹی کا تیسر حصہ کھا کر باقی رکھ دیتا بعد میں بڑے بھائی مولانا محمد جان صاحبؒ آتے ایک تہائی وہ کھا کر باقی برادر اکبر مولانا حکیم محبوب عالم صاحبؒ کیلئے رکھ دیتے ایک دن استاد صاحب نے امتحان لیا اور میری کامیابی پر کچھ مٹھائی مجھے بطور انعام دی جو میں نے کھالی اور شام کو اپنے حصے کی روٹی نہ کھائی بعد میں دونوں بھائی تشریف لائے تو انہوں نے روٹی نہ کھائی یہ سمجھ کر کہ چونکہ میں نے روٹی نہیں کھائی تو بھوکا نہ رہ جاؤں صبح مجھ سے جب پوچھا تو میں نے وجہ عرض کر دی بھائیوں کے اس ایثار پر سب سے بڑے بھائی رو پڑے اور اللہ کی شان کہ اس واقعہ کے بعد عسرت ختم ہو گی اور کھانے پینے کا وافر انتظام ہو گیا

بچپن میں عُسرت کی کیفیت ؛

فرمایا جب سیر یاں بگڑا کے مدرسہ سے واپس آ کر گجرات کے انہی قصبہ والے مدرسہ جانے کا ارادہ کیا تو نہ کپڑے تھے نہ جوتے. والدہ محترمہ نے اوڑھنے والی رضائی سے اون نکال کر اس کپڑے سے لباس بنوایا اور باقی ضروریات کیلئے زمین رہن رکھوا کر رقم حاصل کی اور اس طرح علم دین کے حصول کیلئے روانہ فرمایا۔

﴿ملفوظات﴾

(۱) بیماری سے کچھ عرصہ قبل فرمایا کہ جب سے یہ علم ہوا کہ رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے تو اُس وقت سے رزق کی کوئی فکر نہیں رہی کہ کہاں سے آئے گا

(۲) آپ اکثر فرماتے کہ دنیا کا مشکل سے مشکل کام بھی ہو تو وہ تین دن میں حل ہوسکتا ہے خاص طور پر اپنے پہلے حج کے موقع پر وسائل نہ ہونے کے باوجود ارادہ فرمایا لیا تو کسی کے مصارف کے بارے میں پوچھنے پر یہ بات فرمائی لیکن تفصیل نہ بتائی بعد میں ایک شاگرد کے پوچھنے پر بتایا کہ ہمارے شیخ امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے یہ عمل بتایا ہے کہ تین دن مسجد میں نفلی اعتکاف کریں اور اِن دنوں میں حلال کھائیں، حلال پہنیں، حلال پیئں اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے جو مانگیں وہ عطا ہوگا اپنے رب سے اتنا مضبوط اور مستقل تعلق قائم کر کے دیکھ لیں ہر مشکل آسان ہوگی۔

(۳) صوفی محمد تاج صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ مولانا محمد داؤد صاحب نے مجھے نصیحت کی کہ اگر کوئی کاروبار کیا تو کسی کے ساتھ شراکت نہ کرنا میں نے بھولے سے ایک دفعہ یہ غلطی کر لی تو دو تین ہفتوں بعد ہی اچھا خاصہ قرض ہو گیا تب مجھے حضرت کا فرمان یاد آیا اور میں نے فوراً اشتراک ختم کر دیا اور ذاتی طور پر کام شروع کیا تو الحمد للہ حالات بہتر ہو گئے

(۴) دنیاوی طور پر کامیاب اولاد کے بارے میں اکثر لوگ آ کر کہتے ہیں کہ میرا بیٹا بڑا لائق ہو گیا یا فلاں کا بیٹا بڑا لائق ہے آپ نے فرمایا لیاقت یہ نہیں ہے کہ اس کی دنیا سنور گئی بلکہ لیاقت اور کامیابی جب ہے کہ عاقبت سنور جائے دین اور اُس پر عمل میں ترقی کر لے؛

(۵) شریعت کے احکام پر عمل کے معاملے میں آپؒ بہت سختی فرماتے تھے پردہ کے بھی بہت پابند تھے اور اہل خانہ و متعلقین سے شرعی پردہ کراتے آپؒ فرمایا کرتے کہ جس کا خدا سے تعلق نہیں اُس کا میرے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں

(۶) کیمیا گری کا شوق آپؒ کو کشمیر قیام کے دوران ہو گیا تھا اور خوب محنت اور دلچسپی سے آپ جڑی بوٹیاں تلاش کر کے نسخے تیار کرتے تھے اور کافی مہارت حاصل کر لی تھی جب کبھی سمّوں بڑے بھائی مولانا محمد جان صاحبؒ کے پاس جاتے تو وہ آپؒ کو فرماتے اِس شغف کا کیا فائدہ ہے آپ جواب میں مزاحاً عرض کرتے کہ آپ کو بھی دو چار اینٹیں سونے کی دونگا تو آپ کو فائدہ نظر آ جائے گا تو بھائی صاحبؒ ہنستے اور فرماتے مجھے کوئی ضرورت نہیں آخر میں آپؒ عرض کرتے کہ میں خیالی طور پر ہی کام کرتا ہوں اس طرف کوئی زیادہ توجہ نہیں البتہ اس طرح کئی مفید نسخے تیار ہو جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے تھے کئی من پارہ پھونک دیا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

(۷) علالت کے دنوں میں ایک دفعہ اپنے پوتے حافظ محمد احسن صاحب کی منزل سن رہے تھے جب سورۃ انفطار کی یہ آیت آئی. **يَاَيهَاالانسَانُ مَاغَركَ بِرَبكَ الكَرِيم** تو آپ پر انتہائی رقّت طاری ہوگئی اور کافی دیر یہ کیفیت رہی۔ جب طبعیت سنبھلی تو فرمایا کہ اس آیت میں رب کریم کے اعلیٰ درجے کے کرم کا اظہار ہے جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب فرماتے ہیں کہ اے انسان تجھے کریم ربّ سے کس چیز نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں ربّ کریم کے بجائے ربّ جبّار یا قہار نہیں فرمایا بلکہ ربّ کریم فرما کر اپنی شان کریمی کا اظہار فرمایا۔ آپؒ نے فرمایا کریم اُس ذات کو کہتے ہیں جو بغیر استحقاق اور بن مانگے عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے یہی محبت تھی کہ حدیث شریف میں آیا ہے "الخلق عیال اللہ" "تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنُبہ ہے۔ ہم خود ہی اپنے اعمال اور کرتوتوں سے ربّ کی ناراضگی کا سامان کر رہے ہیں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں آپ نے بیٹوں کیلئے کچھ نہیں بنایا۔ تو میں اُن سے کہتا ہوں کہ اگر میرے بیٹے اللہ کے سچے بندے ہوئے تو اُنہیں روزی روٹی کی کوئی کمی نہیں ہوگی اور اگر اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوئے تو مجھے کیا ضرورت ہے اللہ کے نافرمانوں کیلئے کچھ بنانے کی.

﴿متفرق سبق آموز واقعات﴾

دوست نوازی؛

حضرتؒ کے پشاور کے ایک دوست بابو میر عالم صاحبؒ تھے۔ ایک دفعہ اتفاق سے اُنہیں کسی شدید ضرورت کیلئے دوسو روپے ضرورت تھے جو اس وقت غالباً 1940ء میں بڑی رقم تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں آپؒ کے پاس آئے اور ادھار کے طور پر مذکورہ رقم کا مطالبہ کیا۔ آپ تو ساری زندگی قناعت پر گزارتے تھے، اتنی رقم ذاتی طور پر مہیا نہ تھی۔ بہر حال

دوست کی مدد کیلئے محلّہ کے ایک سرمایہ دار سے مطلوبہ رقم دو ماہ کیلئے لے کر انہیں دے دی۔ اتفاق سے آپؒ کو مقررمدت پر بات یاد نہ رہی اور اُس قرض خواہ نے مطالبہ کر دیا جو تحریر کر کے محراب میں رکھ دیا تھا۔ چونکہ مذکورہ شخص بڑا با اصول اور سخت گیر تھا اور تین دن تک وہ اس طرح یاد کراتا رہا اور آخری دن ظہر کے وقت شام تک کا الٹی میٹم دے دیا۔ اُدھر ابھی تک میر عالم صاحب تشریف نہ لائے تھے۔ چنانچہ آپ کو پریشانی لاحق ہوئی اور گڑھی افغاناں اپنے ایک دوسرے دوست کے پاس تشریف لے گئے۔ اُن کے پاس بھی تھوڑی رقم موجود تھی۔ پھر ایک اور دوست سے ملے جس نے بیوی کے شور شرابے کے باوجود مطلوبہ رقم آپؒ کو دے دی۔ آپؒ پیدل چل کر واپس تشریف لائے ان کے پاس بھی رقم پوری نہ تھی اور بمشکل مغرب کی نماز کے بعد وہ رقم قرض خواہ کو ادا کر دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میر عالم صاحب بھی آ گئے اور دیر ہونے کی معذرت کرتے ہوئے ادھار واپس کیا جو آپؒ نے دوسرے دن گڑھی افغاناں والے دوست کو پہنچا دیا۔

غریب کی دلجوئی؛ صوفی محمد تاج صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے بلوایا ہے چلیں۔ میں نے عرض کی کہ ابھی کھانا نہیں کھایا۔ فرمایا چلو میرے ساتھ ہی ہو۔ گھر کو روانہ ہوئے تو گلی میں عبداللہ نامی شخص پانی کی مشک اٹھائے جا رہا تھا۔ اُسے آپؒ نے فرمایا مجھے دو اشعار سنا دو۔ اُس نے مشک نیچے رکھ دی اور اپنے مخصوص انداز میں اشعار سنا دئے۔ آپ نے اسے خوب داد دی۔ بعد میں مجھے فرمایا کہ نہ تو مجھے اس کے شعروں میں دلچسپی ہے اور نہ ہی آواز سے، صرف اس کی دلجوئی کیلئے بے تکلفی کا اظہار کیا ہے اور شعر بھی سنے ہیں تا کہ وہ خوش ہو جائے اب وہ سارا دن خوشی میں رہے گا۔

تعلق مع اللہ

ایمان بالغیب کا اعلیٰ درجہ:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ آخری دنوں میں یہ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے اسّی سال کی عبادت محنت. اور ریاضت کے بعد یہ بات سمجھ آئی ہے کہ اگر آدمی اللہ تعالیٰ سے جُڑ جائے ،اُسکی اطاعت اپنا شعار بنا لے اور اس کے در کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ بھی نہیں چھوڑتا بلکہ مزید نوازتا ہے اور پھر گلستان سعدی کا یہ مصرع دہراتے "من نہ کردم شما حذر بکنید"

رب کی ربوبیت پر شکر:۔

آپؒ فرمایا کرتے کہ میں بچپن ہی میں یتیم ہو گیا تھا، باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور بظاہر اسباب میں معاشی حالات کافی ناسازگار تھے لیکن اللہ کریم کا میرے ساتھ ایسا معاملہ رہا کہ باپ والوں سے زیادہ اچھی طرح پرورش ہوئی اور اب بھی خوب نوازتا ہے.

روحانی علاج:۔

آپؒ جب دینی علوم کی تعلیم مکمل کر کے واپس آئے تو جہالت کی وجہ سے بدعات کا رواج عام تھا۔ لوگ زیادہ تر اوہام میں مبتلا تھے اور تعویذ دھاگوں سے کام چلاتے۔ چنانچہ اس ماحول میں باوجود اکابر کی طرف سے تعویذ و عملیات کی اجازت کے آپؒ زیادہ تر ضرورت مندوں کو رجوع الی اللہ کا مشورہ دیتے اور دعاؤں کی تلقین کرتے۔ البتہ شدید ضرورت کی صورت میں تعویذ بھی دے دیتے، دم بھی کرتے اور بخار کیلئے " گٹ " بنا کر دیتے جس میں آیات مبارکہ پڑھ کر گرہیں ڈالی ہوتیں۔ ان عملیات کا بہت جلدی اثر ہوتا تھا۔ آپؒ کو خصوصی طور پر بچھو کے کاٹے کے دم کی اجازت تھی۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے خواب میں " کمالات عزیزی " میں موجود تمام تعویذات کی خود اجازت مرحمت فرمائی۔ آپؒ کے شیخ حضرت لاہوریؒ نے آپؒ کو پریشانی کے وقت اور فتنہ کے دور میں وظائف تلقین فرمائے ایک سو دفعہ **"لَاعَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِاللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمْ"** دو سو دفعہ صرف **اِلَّا مَنْ رَحِمَ** یہ معمول عشاء کے بعد عرصہ تک جاری رکھا۔ اس میں ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح استغفار کی اور سورۃ الملک بھی شامل تھیں۔ اجتماعی معمول کے بعد دعا کرائی جاتی تھی۔

اکابر کا تتبّع؛۔

آپؒ بچپن سے ہی خودی کے حامل اور آزاد طبیعت کے مالک تھے۔ مزاج بھی قلندرانہ تھا۔ مبارزت سے نہیں کتراتے تھے۔ دورانِ تعلیم و تربیت آزادی کیلئے مصروف عمل اکابر کی صحبت سے جسمانی طاقت کو بڑھانے اور دشمنوں سے مقابلہ کیلئے تیاری کرنے کے جذبہ کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور لاہور قیام کے دوران آپؒ کشتی کا فن سیکھنے کیلئے بھولو پہلوان کے والد کے پاس گئے اور اُن سے اپنے شوق کا ذکر کیا۔ پہلے تو انہوں نے کہا کہ یہ فن مشکل ہے آپ نہیں سیکھ سکیں گے لیکن آپ کے اصرار پر انہوں نے بھولو پہلوان سے جو ابھی چھوٹا تھا کہا کہ کل سے انہیں کشتی سکھانا شروع کریں۔ چنانچہ آپؒ دوسرے دن یہ فن سیکھنے گئے تو فرمایا کرتے کہ اُس کے بیٹے نے مجھے تین چار بار پٹخنی دے کر گرا دیا۔ میں نے

اسے کہا کہ میں یہ فن سیکھنا چاہتا ہوں آپ مجھے شاگردی میں لے لیں اُس کے بعد کچھ عرصہ آپؒ اس پہلوان کے پاس یہ فن سیکھتے رہے.

تقوٰی اور پرہیزگاری

صدقہ وخیرات کا سبب؛۔

حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مدرسہ کی روٹی کھائی ہے اور لوگ روٹیاں اس لیے دیتے ہیں کہ یہ علماء دین کی خدمت کریں گے۔ مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ دین کی خدمت نہیں کرسکا اور مجھے اکثر اس کا احساس رہتا ہے اس لئے اکثر وبیشتر صدقہ وخیرات کرتا ہوں تا کہ کچھ ازالہ ہوسکے یہ صرف آپؒ کی تواضع اور تقوٰی تھا حالانکہ آپؒ کی دینی خدمت کا ایک زمانہ گواہ ہے.

مخلوق خدا کی خدمت؛۔

آپؒ نے فرمایا ایک دفعہ بارش ہورہی تھی اور سردی کا موسم تھا کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو مجھے بڑی کوفت ہوئی کہ اس وقت آدھی رات کو اور خراب موسم میں کوئی آ گیا ہے پہلے تو خیال آیا کہ خود ہی کھٹکھٹا کر چلا جائے گا لیکن جب متواتر آوازیں آئیں تو میں نے غصہ کی حالت میں اُسے باہر جا کر دیکھا تو ایک بڑا غریب آدمی باہر کھڑا تھا اسکی حالت دیکھ کر غصہ تو دور ہو گیا لیکن کوفت باقی تھی پوچھنے پر اس شخص نے بتایا کہ میری والدہ اس وقت شدید بیمار ہے اور آپ کے پاس اُس کی دوائی کیلئے آیا ہوں ساتھ ہی اس نے کہا کہ میں دوسرے ڈاکٹروں کے پاس بھی جاسکتا تھا لیکن آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میرے پاس دوائی کے پیسے نہیں ہیں میں سوچ رہا تھا کہ باقی ڈاکٹر اور حکیم تو بغیر پیسوں کے نہ تو دوائی دیں گے اور نہ ہی ساتھ جا کر میری والدہ کو دیکھیں گے مجھے آپ کی ذات سے توقع ہوئی کہ وہی شخص اس مشکل وقت میں صرف اللہ کیلئے میری مدد کرسکتا ہے چنانچہ میں حاضر ہو گیا ہوں آگے آپؒ کی مرضی آپؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا اور اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈالی کہ اگر تم ایسے لاچار اور مجبور ہوتے تو کیا کرتے؟ بس یہ خیال آنا تھا کہ میں اس کے ساتھ چلا گیا اور جا کر اسکی والدہ کو دیکھا اور دوائی دے کر واپس آ گیا.

اخلاص؛۔

آپؒ کے ایک ہمراز دوست نے بتایا کہ آپؒ اکثر رات کو بہت کم سوتے اور زیادہ وقت اللہ کی یاد میں گزارتے تھے۔عشاء کی نماز کے بعد باقی نمازیوں کی طرح گھر تشریف لے جاتے اور جب اندازہ ہوتا کہ اب مسجد خالی ہو چکی ہے تو پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور تقریباً ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے۔سحری کو جب نمازیوں کی آمد کا وقت ہوتا تو گھر تشریف لے جاتے اور کسی کو علم ہی نہ ہوتا کہ آپؒ رات بھر مسجد میں عبادت میں مصروف رہے۔

رزق حلال کی تلقین؛۔

آپ نے جناب حاجی غلام محمد صاحب مرحوم کو جو آپؒ کے برادر نسبتی تھے نصیحت فرمائی کہ آپ بہاولپور میں پٹواری کے کام کو چھوڑیں اور ٹیکسلا آ کر دواؤں کا کام شروع کریں تا کہ رزق میں حرام مال کی شمولیت کا احتمال ہی نہ رہے.

اہل خانہ کا لحاظ؛۔

آپؒ نے اپنی مرغوب چیز کبھی اکیلئے نہیں کھائی بلکہ گھر والوں کی تعداد کے برابر سب کا حصہ شامل کر کے چیز خریدتے اور گھر لے جاتے.

ذوق عبادت:۔

بدنی ومالی عبادت کے ساتھ ساتھ آپ نفلی روزے بھی رکھتے تھے اگر چہ اُن کی کوئی معین ترتیب نہ ہوتی تھی۔اسی طرح مالی صدقہ کے طور پر اکثر اپنے گھر سے حلوہ وغیرہ پکوا کر لاتے اور عموماً مجلس ذکر کے شرکاء کو کھلاتے.رمضان شریف میں ہمیشہ پہلے روزہ کی افطاری تمام نمازیوں کو مسجد میں اپنی طرف سے کراتے تھے

زہد وقناعت؛۔

آپؒ دوکان پر صبح تشریف لاتے اور تقریباً 11 بجے تک مطب میں رہتے اکثر نادار بیواؤں اور یتیموں کو مفت دوائی دیتے۔آپ عام طور پر آٹھ آنے یا روپے سے زیادہ نہ لیتے تھے ۔رقم کے متعلق کچھ زیادہ سوچ بچار اور اہتمام نہ تھا رقم عام طور پر آپ کی نشست کی گدی کے نیچے پڑی رہتی اور کچھ زیادہ حفاظت نہ ہوتی اور نہ ہی شمار کرتے تھے۔جب چند روپے جمع

ہوجاتے تو گھر چلے جاتے اور فرماتے بھائی آج کی روزی کا انتظام ہوگیا ہے اب مزید بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دیانت داری:۔

ایک دفعہ آپ بہت زیادہ مقروض ہوگئے اور قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نہ ہوئی تو کسی ہمدرد نے آپ کو ریشم کے کیڑے پالنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے بلا تکلف یہ کام شروع کر دیا اور کیڑے پالنے شروع کر دیئے جب کافی ابریشم جمع ہوگیا تو اس کو بیچنے کیلئے لے گئے اس وقت یہ مرض عام تھا کہ ابریشم کی فروخت کے وقت وزن زیادہ کرنے کیلئے اُس میں پانی ملا دیا جاتا تھا آپؒ سے ابریشم خریدنے والا کوئی انگریز تھا انگریز نے عام معمول کے مطابق یہ سمجھا کہ اس ابریشم میں بھی پانی ملا ہے اِس لئے آپؒ سے کہا ابریشم کے وزن کے بعد نصف حصہ کی رقم آپؒ کو دی جائے گی اور نصف پانی شمار کیا جائے گا آپؒ اس کی یہ بات سن کر حیران رہ گئے دراصل آپؒ کو معلوم ہی نہ تھا کہ ابریشم کی فروخت میں یہ بددیانتی بھی ہوتی ہے آپؒ نے فرمایا ابریشم بالکل خالص ہے اِس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہے آپ ہر طرح کی تسلی کرلیں انگریز کو اس بات پر یقین نہ آیا پھر جب اچھی طرح جانچ پڑتال کرلی تو ابریشم خالص نکلا۔ اس لئے متاثر ہوکر مارکیٹ سے بہت زیادہ قیمت لگائی اور تمام ابریشم خریدلیا جس سے آپؒ کا سارا قرض بھی ادا ہوگیا اور مزید دو ہزار کی رقم بچ بھی گئی۔

﴿توکل﴾

☆**واقعہ** ۔ صدر ایوب خان کے دور میں چینی کافی مہنگی ہوگئی اور بازار سے بڑی مشکل سے دستیاب ہوتی تھی کہ ایک بے تکلف دوست نے عرض کیا کہ مولوی جی چینی تو مہنگی ہوگئی اور ملنا بھی مشکل ہے اب آپؒ کیا کریں گے آپؒ نے فرمایا چینی اگر مہنگی ہوگئی ہے تو کوئی بات نہیں جس رب کریم نے چینی کھلانی ہے وہ چینی کیلئے رقم بھی دیگا اور چینی بھی کھلائے گا۔

☆**واقعہ** ۔ پہلی دفعہ حج کا ارادہ فرمایا تو ویزہ نہ ملنے کی وجہ روانہ نہ ہوسکے آپؒ نے جمع شدہ رقم استعمال نہ فرمائی اور صاحبزادہ صاحب کے ذریعے ایک بااعتماد شخص کے پاس رکھوائی جس سال غالباً 1964ء میں جب حج کا ارادہ کرلیا تو اس وقت اخراجات بڑھ گئے تھے لیکن توکل علی اللہ تیاری کرلی حتّٰی کہ روانگی سے ایک رات قبل بھی رقم حسبِ ضرورت پوری نہ تھی تمام متعلقین ملاقات کیلئے آجارہے تھے اور آپؒ اطمنان سے ملتے رہے کسی سے احتیاج کا اظہار نہیں کیا صبح کے وقت اللہ تعالیٰ نے کہیں سے ضرورت پوری فرمادی۔

☆**واقعہ** ۔ صوفی محمد یونس صاحب جو آپؒ کے دیرینہ خادم ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپؒ کی حج سے واپسی پر میں نے دعوت کی تو مجھے فرمایا کہ حج کیلئے تیار ہوجاؤ میں نے اسباب نہ ہونے کا عرض کیا تو فرمایا بھائی جو انسان جُوا کھیلتا ہے اور ہار جاتا ہے دوسرے دن اُس کے پاس رقم نہیں ہوتی لیکن وہ پھر کہیں نہ کہیں سے پیسے لے کر جُوا کیلئے چلا جاتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے تو وہ نیکی کے کام کیلئے اسباب مہیا نہیں کرے گا۔

☆ **واقعہ :** ۔ صوفی صاحب موصوف نے ہی بتایا کہ ایک دفعہ تعلیم القرآن سکول کے اساتذہ کی تنخواہ کیلئے رقم نہ تھی اور کئی ماہ ادائیگی نہ ہوسکی پریشانی کی وجہ سے ایک دن اپنے بڑے صاحبزادے مسعود الرحمٰن صاحب کو گھر سے مسجد لائے وضو کرایا اور نماز حاجت پڑھائی اور فرمایا کہ دعا کرو اُنہوں نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے مسئلہ حل فرمادیا محلّہ کے ایک صاحب ثروت نے سونے کے زیور فروخت کرکے اساتذہ کی تنخوائیں ادا کردیں۔

﴿ظرافت طبع﴾

آپؒ نے فرمایا کہ جب ہم مدرسہ امینیہ دہلی میں پڑھتے تھے تو مدرسہ کے قریب ہی ایک خوانچہ فروش نفیس قسم کا حلوہ تیار کرتا تھا جس میں بہت ہی میوہ جات اور خوشبوئیں ڈالتا تھا اُس وقت کے حساب سے اُس حلوہ کی تیاری میں تقریباً دس روپے خرچ ہوجاتے اور فروخت پر مالک کو بھی پانچ روپے بچ جاتے ایک دن میں اور میرا دوست اُس کے پاس بیٹھے تھے اور باتیں کررہے تھے باتوں ہی باتوں میں ہم نے کہہ دیا کہ اگر تم اجازت دو تو یہ سارا حلوہ میں اکیلے کھا جاؤں چونکہ ہندوستانی تھا اور ہندوستانیوں کی خوراک ویسے بھی کم ہوتی ہے اُسے پہلے بات سن کر یقین نہ آیا اور مذاق سمجھا جب میں نے دو تین بار کہا اور میرا ساتھی بھی ساتھ مسکرانے لگا تو وہ طیش میں آگیا اور کہا اگر تم یہ سارا حلوہ کھالو تو تم سے رقم بھی نہیں لوں گا اور مزید دس روپے آپ کو انعام بھی دوں گا جوانی کا زمانہ تھا اور طالب علمی کا دور تھا جب ہر طرح سے بے فکری ہوتی ہے اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کیا میں کھا رہا تھا اور خوانچہ فروش حیرانی سے مجھے دیکھ رہا تھا جب چوتھائی حصہ رہ گیا اور میرا جی بالکل بھر چکا تھا لیکن نہ انکار کرسکتا تھا اور نہ چھوڑ سکتا تھا کیونکہ چھوڑنے میں اپنی شکست تھی کہ اچانک خوانچہ فروش چلا اُٹھا کہ اب بس کرو میں نے دس روپے خرچ کئے ہیں میرے اور بال بچوں کیلئے یہ باقی رہنے دیں میں نے بھی خدا کا شکر ادا کیا اور چھوڑ دیا لیکن جب دیکھا تو وہ بیچارہ کافی

پریشان تھا کیونکہ آج اس کو نفع تو کجا اصل سرمایہ بھی ہاتھ سے چلا گیا تو میں نے اور میرے دوست نے مل کر دس روپے اس کے دیئے۔

گھر سے کھانے کا لطیف مزاح :۔

چونکہ طبیعت میں خوش مزاجی زیادہ تھی آپؒ اکثر وبیشتر اپنے بے تکلف دوستوں کو فرماتے تھے کہ روٹی گھر کھانا واقف کار آدمی تو سمجھ جات اور جملہ سن کر مسکرا دیتا اور نیا آدمی یہ سمجھتا کہ میری دعوت کی جارہی ہے ایک مرتبہ آپؒ نے ایک معمولی شناسا سے یہی جملہ فرمایا دیا وہ مزاح کی بات نہ سمجھ سکا آپؒ اُن دنوں حاجی غلام محمد صاحب کی دوکام پر مطب کرتے تھے وہ شخص آکر دکان پر بیٹھ گیا حکیم صاحب خود موجود نہ تھے جب کافی دیر گزر گئی تو حاجی غلام محمد صاحب نے اُس سے پوچھا آپ کو کیا کام ہے کہ آپ کافی دیر سے دوکان پر بیٹھے ہیں تو اُس شخص نے بتایا کہ حکیم صاحب نے میری دعوت کی ہے میں دعوت کھانے آیا ہوں حاجی صاحب بات سمجھ گئے اور اس کو کھانا وغیرہ کھلایا بعد میں جب آپؒ کو واقعہ بتایا تو آپؒ کافی دیر تک مسکراتے رہے۔

بھائی کی نصیحت :۔

جن دنوں آپؒ نے ریشم کے کیڑے پال کر ریشم فروخت کیا تو آپؒ کو کافی رقم مل گئی تھی قرض کی ادائیگی کے بعد بھی کچھ رقم بچ گئی تھی تو آپؒ اپنے بھائی حکیم محمد جان صاحب کی خاطر ایک بھینس خرید کر لائے کیونکہ اُنکو بھینس بکری پالنے کا بہت شوق تھا اور خالص دودھ کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی تھی۔ آپؒ کو چونکہ کبھی بھینس رکھنے اور پالنے سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور اچھی بھینس کی خوبیوں سے واقف نہ تھے آپ اپنی طرف سے تو اچھی بھینس خرید کر لائے تھے لیکن بھائی صاحب نے جو اس معاملہ میں خوب تجربہ رکھتے تھے بھینس کو دیکھ کر فرمایا یہ تو اچھی نہیں ہے آپؒ نے برجستہ فرمایا کہ کیوں اچھی نہیں ہے؟ اس کا رنگ تو دیکھیں خوب سیاہ ہے دانت موتی طرح چمکدار اور سفید ہیں کتنے بڑے اور خوبصورت سینگ ہیں اور بھی خوب تعریف کی تو بڑے بھائی صاحب نے مسکرا کر فرمایا کیا بھینس ان چیزوں کے دیکھنے کیلئے خریدی جاتی ہے؟ بھینس پالنے کا تو مقصد دودھ حاصل کرنا ہے اس صفت کی اس میں کمی ہے اس لئے یہ بھینس اچھی نہیں ہے۔

﴿ کرامات ﴾

بچھوؤں کا ڈیرہ اور حفاظت :۔

ایک دفعہ بیماری نے طول پکڑا آپؒ کئی دن تک بسر پر ہی رہے ضروری کام اور نماز کے علاوہ آپؒ استراحت فرماتے کئی دنوں بعد جب بستر تبدیل کیا گیا تو بستر کے نیچے بچھوؤں نے ڈیرہ بنا رکھا تھا اور یہ کہ بڑے بچھوؤں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچھو بھی تھے آپؒ سے ذکر کیا گیا تو آپؒ نے ہنس کر ٹال دیا۔

دوا کے بجائے سنکھیا اور مریض کی صحت یابی :۔

ایک دفعہ خانہ بدوش مریض، مارگلہ کے قریب رہنے والا دوائی لینے آیا تو اُس کے حالات پوچھ کر کہا کہ تھوڑی دیر بعد دوائی لے جانا آپؒ نے اس کی دوائی کی پڑیا بنا کر جیب میں رکھی جب وہ شخص دوائی لینے دوبارہ آیا تو اُس کو جیب سے پڑیا نکال کر دے دی جب تھوڑی دیر بعد گھر جا کر جیب میں ہاتھ ڈالا تو اُس مریض کیلئے تیار کردہ دوائی کی پڑیا جیب میں موجود تھی اور مریض کو بجائے دوائی کے سنکھیا کی پڑیا دے دی جو پہلے سے جیب میں موجود تھی آپ بہت پریشان ہوئے، اُس آدمی کا اِدھر اُدھر پتہ کروایا لیکن اس کا صحیح ٹھکانہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے رابطہ بھی نہ ہو سکا آپؒ دو تین دن تک پریشان رہے اور صلوۃ الحاجت پڑھ کر اس کیلئے دعا کرتے رہے جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا آتا تو آپؒ کو خیال ہوتا کہ اسکی وفات کی اطلاع دیگا لیکن اللہ تعالیٰ کی شان تین دن بعد وہی مریض آپؒ کے پاس آیا اور آپؒ کو بہت دعائیں دیں اور عرض کرنے لگا کہ آپؒ کی دوا سے اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا بخشی ہے اس نے بتایا کہ میں دوائی لے کر گیا ایک ہی خوراک کھائی تو مجھے سخت پسینہ اور چکر آنا شروع ہو گئے میں نے گھر میں موجود تمام بکریوں کا دودھ پی لیا اور تھوڑی دیر بعد مجھے قے ہو گئی، میں چنگا بھلا ہو گیا اور سارا مرض دور ہو گیا آپؒ نے فرمایا کہ باقی دوائی مجھے واپس کر دو اُس نے وہ پڑیا واپس کر دی سنکھیا کی تو قلیل مقدار بھی مرنے کیلئے کافی ہوتی ہے جب کہ اس نے پوری خوراک استعمال کر لی تھی یہ حضرتؒ کی دعا کی برکت تھی اور آپؒ کی کرامت تھی کہ اس کی زندگی بچ گئی۔

دوا کی جگہ نسوار :۔

ایک اور موقع پر مریض کا حال پوچھنے پر دوائی کیلئے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک پڑیا دوائی کی دے کر پرہیز وغیرہ بتلا دیا مریض کے جانے بعد آپؒ کو معلوم ہوا کہ مریض کو دوائی کے

بجائے نسوار کی پڑیا دے دی ہے آپؒ نے مریض کا پتہ کروایا لیکن مریض جا چکا تھا دو تین دن بعد مریض آیا تو کافی خوش تھا اور اپنی صحت کے متعلق بتا کر دوائی کی خوب تعریف کی آپؒ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

مسیحی ڈاکٹر کی مہارت اور اصل سمجھداری :۔

ایک صاحب نے اپنا قصہ بیان کیا کہ مجھے گردے کی شدید تکلیف تھی اور کوئی دوا اثر نہیں کرتی تھی مجبور ہو کر عیسائیوں کی مشن ہسپتال گیا تو ڈاکٹر لال نے آپریشن تجویز کیا جس پر میں تیار نہ ہوا اور حضرت حکیم محمد داؤد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس سے قبل میرا ایک رشتہ دار آپریشن کی وجہ سے فوت ہو گیا ہے اس لئے باوجود اس کے مذکور ڈاکٹر بڑا قابل اور سمجھدار ہے میں آپریشن نہیں کراتا تو آپؒ نے برجستہ فرمایا کہ وہ ڈاکٹر اگر سمجھدار ہوتا تو اسلام قبول کر لیتا فرمایا جاؤ اللہ تعالیٰ بہتری کرے گا چنانچہ میں نے وہ دوائی اور آج تک مجھے گردہ کی تکلیف نہیں ہوئی۔

جاہل عوام کا ردِّ عمل اور عقیدت :۔

حضرتؒ نے خود یہ قصہ سنایا کہ لاہور قیام کے دوران ایک مسجد میں امامت کی ذمہ داری میرے سپرد تھی تو دوسرے دن ہی وہاں فوتگی ہو گی متوفی کے اہل خانہ میرے پاس آئے اور کہا کہ فوتگی ہوگی ہے اِس کو سنبھالیں اور سارا کام نمٹائیں میں نے جواب دیا کہ میں تو زندوں کو سنبھالنے کیلئے آیا ہوں مُردوں کو تم خود سنبھالو اُنہوں نے میری بات نہ سمجھی مجھے زد وکوب کرنا شروع کر دیا تو میں دوسرے دن ہی وہاں سے بستر سمیٹ کر واپس آ گیا جب اس مسجد میں یہ واقعہ پیش آ گیا تو خیال پیدا ہوا کہ مساجد میں تو بڑی مشکل سے گزارا ہو گا کیونکہ جاہل لوگ تنگ کرتے ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد جب ایک دوسری مسجد میں امامت شروع کی تو وہاں پہلے ہی دن ایک شخص کو بچھو نے ڈنگ لیا اُسے میرے پاس دم کیلئے لائے تو چونکہ مجھے اُس کی پہلے سے ہی اجازت تھی میں نے دم کر دیا تو اُسے افاقہ ہو گیا اس واقعہ سے میں وہاں پیر مشہور ہو گیا اور وہاں خوب فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جیب کُترے کی کاروائی اور پشیمانی :۔

آپؒ ہر منگل کو راولپنڈی تشریف لے جاتے تھے اور کچھ ادویہ بھی ساتھ رکھتے تھے تاکہ ضرورت مند مریضوں کو دے سکیں ایک دفعہ دواؤں کا بنڈل جیب میں ڈال لیا اور جب وہاں پہنچے تو جیب خالی تھی۔ خیال ہوا کہ شاید لانا بھول گیا دوسرے دن ایک شخص آیا اور وہ بنڈل آپؒ کو دیا آپؒ نے اُس سے پوچھا کہ کہاں سے لائے ہو تو اُس نے بتایا کہ میرا دوست جیب کُترا ہے اس نے کل آپؒ کے ساتھ سفر کیا اور سمجھا کہ باباجی کے پاس بہت رقم ہے چنانچہ اس نے مہارت سے یہ بنڈل نکال لیا لیکن رات بھر اُس کو پریشانی رہی اور صبح مجھے دیا کہ یہ واپس پہنچا کر آؤ ورنہ میرا سکون غارت ہو جائے گا۔

غلط عقائد سے بچاؤ کیلئے مشفقانہ برتاؤ :۔

محلّہ کے دین دار ساتھی شیخ عبدالرؤف صاحب نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں کچھ دوستوں کی مجلس کی وجہ سے غیر مقلدین کے عقائد کی طرف مائل ہو گیا اور اُن پر عمل شروع کر دیا اِس دوران حضرتؒ کے ساتھ کبھی کبھار بحث وتمحیص بھی کر دیتا لیکن آپؒ مجھے شفقت سے سمجھاتے مگر میں حماقت سے اثر نہ لیتا البتہ مجھے کلی اطمینان نہ تھا اور بے چینی سی محسوس کرتا رہتا تھا جلد ہی رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا اور میں اُن غیر مقلدین کی مسجد میں تراویح پڑھنے لگا امام صاحب دورانِ نماز جیب سے قرآن مجید نکال کر اُسے دیکھ کر تلاوت کرتے جس سے مجھے انقباض ہوا۔ اسی طرح کچھ نمازی مسجد میں داخل ہو کر پگڑی اتار کر کے پھینک دیتے اور ننگے سر نماز پڑھتے اور کوئی جوتوں سمیت نماز پڑھتا ان باتوں سے مجھے بہت دُکھ ہو استائسویں شب کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھ پر حق واضح ہو جائے آپؒ نے فرمایا کہ آج رات سو مرتبہ اِهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيم پڑھ کر اپنا دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر دائیں پہلو پر سو جاؤ اللہ تعالیٰ بہتری فرمائیں گے چنانچہ میں نے یہ عمل کیا اور سو گیا خواب میں دیکھا کہ میں مسجد کے غسل خانہ میں استنجا کیلئے گیا تو وہ گندگی سے بھرا تھا میں بچ بچا کر بیٹھ گیا دروازہ کُھلا تھا میں نے دیکھا کہ حضرتؒ کچھ فاصلے پر وضو فرما رہے ہیں اور مجھے فرماتے ہیں کہ بدبو بہت ہے دروازہ بند کر کے باہر آ جاؤ اتنے میں میری آنکھ کُھل گئی میں نے پھر کئی بار سونے کی کوشش کی اور ہر دفعہ یہی منظر دیکھا بالآخر تہجد کا وقت تھا وضو کر کے نوافل ادا کئے اور دل میں سابقہ عقائد اور عمل پر سخت پشیمانی محسوس کرنے لگا چنانچہ فجر کی نماز باجماعت ادا کر کے حضرتؒ کو خواب سنایا تو آپؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حق واضح کر دیا ہے اب اس گندگی سے جان چھڑا کر باہر آ جاؤ اس کے بعد مجھے انتہائی شفقت و محبت سے نصیحت فرماتے ہے

﴿پسندیدہ اشعار﴾

حافظ احسان العظیم صاحب نے بتایا کہ ابا جان عموماً پرسوز آواز میں یہ اشعار پڑھتے تھے

سمجھا منصور کے دل نے جب رازِ ھو بولا سولی پہ چڑھ کے میں ہوں سرخرو

تم سنو گے پکارے گی میری لہو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو

پوچھا طور سے میں نے اِے باوفا کس کی برقِ تجلّی سے تو جل گیا

بولا بتلاؤں کیا اُس جلن کا مزہ آج تک ہے اُسی آگ کی جستجو

اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو

کیا خبر تھی مجھے دل میں رہتا ہے تو یہ پھراتی ہی رہی ہے مجھے کو بہ کو

اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو

اس کے علاوہ نعتیہ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی برلانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

اپنے جمعہ کے بیان میں اکثر امت کی زبوں حالی پر بڑے دکھ اور اضطراب سے پڑھتے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اپنے نہایت قریبی بزرگ اور دوست حضرت غلام غوث ہزارویؒ کے وصال پر بڑے کرب سے یہ فارسی اشعار پڑھتے تھے

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم بس ازاں کہ من نامانم بہ چہ کار خواہی آمد

بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

پرانے اکابرین میں سے مثنوی مولانا رومؒ اور شیخ سعدیؒ کی حکایات کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا مثنوی کا زیادہ حصہ آپؒ کو زبانی یاد تھا اور اُس کی حکایات اور اشعار بڑے ذوق اور شوق سے سنایا کرتے تھے ایک دفعہ بیان کیا کہ شیخ سعدیؒ نے ایک دوست کو دیکھا کہ وہ شیر پر سوار ہے اور شیر اُس کے سامنے لومڑی بنا ہوا ہے گردن نیچے کی ہوئی ہے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا شیر تیرے سامنے گردن نہیں اٹھاتا اُس نے جواب دیا سعدیؒ جب سے میں نے اپنے رب کے سامنے گردن جھکانی سیکھی ہے تو کوئی چیز بھی میرے سامنے گردن نہیں اٹھاتی۔

آپ کو نبی کریم ﷺ سے والہانہ عشق و محبت تھی، اس لئے جب بھی نعت شریف سنتے تو آپ پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی۔ ایک دفعہ یہ نعت سن رہے تھے

اس شہر میں بک جاتے ہیں خود آ کے خریدار یہ شہر نبی ہے، مصر کا بازار نہیں ہے

تو زار و قطار رونے لگے۔ تکلیف بڑھ جانے کے ڈر سے نعت روکنا پڑی۔

1989ء میں والد صاحب بیمار ہو گئے، جمعہ پڑھانا مشکل ہو گیا، تو مجھے جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا۔ چونکہ مجھے تجربہ نہیں تھا، اس لئے گھبرا گیا۔ فرمایا گھبرانے کی کوئی بات نہیں، جب بھی آپ ﷺ کا نام مبارک آئے تو ادب اور احترام سے ﷺ کہہ دینا۔ دو چار دفعہ آپ کا نام مبارک ادب و احترام سے لے لیا تو تمہارا جمعہ ہو جائے گا۔

اپنے جمعہ کے بیان میں اکثر امت کی زبوں حالی پر بڑے دکھ اور اضطراب سے پڑھتے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اپنے نہایت قریبی بزرگ اور دوست حضرت غلام غوث ہزارویؒ کے وصال پر بڑے کرب سے یہ فارسی اشعار پڑھتے تھے

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم　　　بس ازاں کے من نامانم بہ چہ کار خواہی آمد

بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

پرانے اکابرین میں سے مثنوی مولانا رومؒ اور شیخ سعدیؒ کی حکایات کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا مثنوی کا زیادہ حصہ آپؒ کو زبانی یاد تھا اور اُس کی حکایات اور اشعار بڑے ذوق اور شوق سے سنایا کرتے تھے ایک دفعہ سنایا کہ اُنہوں نے ایک دوست کو دیکھا کہ وہ شیر پر سوار ہے اور شیر اُس کے سامنے لومڑی بنا ہوا ہے گردن نیچے کی ہوئی ہے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا شیر تیرے سامنے گردن نہیں اٹھاتا اُس نے جواب دیا سعدیؒ جب سے میں نے اپنے رب کے سامنے گردن جھکانی سیکھی ہے تو کوئی چیز بھی میرے سامنے گردن نہیں اٹھاتی۔

دو بڑے بھائیوں

حضرت مولانا حکیم محبوب عالم صاحبؒ

اور

حضرت مولانا حکیم محمد جان صاحبؒ

کے مختصر حالات

پیدائش :۔

آپؒ کی پیدائش کی صحیح تاریخ کا علم نہیں ہوسکا غالباً سال پیدائش 94-1893ء کے لگ بھگ ہے مقام پیدائش سموں گاؤں ہے حقیقی بہن بھائی نہ تھے حضرت مولانا محمد جان صاحبؒ اور مولانا محمد داؤد صاحبؒ والد صاحب کی دوسری اہلیہ سے تھے۔

ابتدائی تعلیم :۔

عصری و دینی تعلیم ابتدا میں اپنے گاؤں اور ملحقہ دیہات میں ہی حاصل کی تقریباً پندرہ سال کی عمر میں والد صاحبؒ وفات پا گئے اُس وقت دونوں بھائی چھوٹی عمر کے تھے بلکہ مولانا محمد داؤد صاحب شیر خوار بچے تھے

دینی تعلیم :۔

حالات کا تقاضا تو گھر میں ہی ٹھہرنے کا تھا لیکن دینی علوم کے حصول کی طلب اور شوق میں والدہ صاحبہ کی اجازت سے پنجاب کے مشہور تعلیمی مرکز موضع انّہی ضلع گجرات میں چلے گئے جہاں برصغیر کے معروف عالم مولانا غلام رسول صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل کیا جن کے طلبہ کو دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ کاشمیریؒ بلا امتحان داخلہ دے دیتے یہاں سے فارغ ہوکر آپؒ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں سے دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ طبیہ کالج دہلی میں حکیم اجمل خان صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی اور غالباً 1923ء میں حکیم صاحب موصوف کے دستخط سے سند فراغ ملی۔ دونوں چھوٹے بھائی کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلم رہنے کے بعد آپؒ کے پاس دہلی آ گئے تھے اور انہوں نے بھی یہاں دینی علوم کے ساتھ ساتھ مذکورہ کالج سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ آپؒ نے دورہ حدیث جامع مسجد فتح پوری دہلی میں مولانا سلطان محمود صاحبؒ ساکن کٹھیالہ شیخاں کے ہاں پڑھا۔

دورانِ قیام دہلی کے کچھ واقعات :۔

آپؒ اپنی اولاد کو یہ واقعات سناتے تھے کہ دورانِ تعلیم تنگی کی وجہ سے کاغذ نہیں خرید سکتے تھے تو وہاں پھینکے ہوئے بیکار کاغذات اُٹھا کر اُن کی پشت پر لکھائی کر لیتے اور بسا اوقات قمیص شلوار کے صاف حصہ پر لکھ لیتے جو بعد میں دھو ڈالتے۔ رات کو اندھیرے میں سبق دھرانے اور پڑھائی کیلئے چراغ میں تیل ڈالنے کا بندوبست نہ ہوتا تو بعض دوکانوں کے پاس جو کھلی ہوتیں باہر کنارے پر بیٹھ کا مطالعہ کرتے تھے یا بلدیہ کے لیمپوں کے نیچے بیٹھ جاتے۔ جب تینوں بھائی اکٹھے تھے تو کئی بار صرف ایک روٹی پر سب گزارا کرتے اور عموماً آپ چھوٹے بھائیوں کیلئے ایثار کرتے ہوئے خود بھوکے سو جاتے اکثر باسی روٹی پر ہی گزارا کرنا پڑتا۔ ایک دلچسپ بات یہ بتایا کرتے کہ حکیم اجمل صاحبؒ جو صاحب ثروت انسان تھے کبھی کبھار محدود طلباء کی دعوت کرتے دعوت پُر تکلف ہوتی اور جن برتنوں میں طلباء کو کھانا کھلایا جاتا دعوت کے بعد وہ برتن بھی طلباء کو دے دیے جاتے تھے

وطن واپسی پر مصروفیات :۔

آپؒ بذریعہ ٹرین دہلی سے وطن واپس تشریف لائے اور بدھو سٹیشن پر اُترے تو پہلے خیال ہوا کہ بدھو گاؤں میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں قیام کر لوں اس لئے کہ سموں میں غیر موجودگی کے دوران مکان بوسیدہ ہو گئے تھے اس طرح آپؒ کو بدھو میں سہولت رہتی لیکن طبیعت میں ذاتی غیرت کا مادہ زیادہ تھا عزتِ نفس نے کسی کا بارِ احسان لینے سے انکار کر دیا اور آپؒ سیدھے اپنے گاؤں چلے گئے یہاں گرے ہوئے مکان کی تعمیر کی اور رہائش کے قابل بنا کر یہیں پر دواخانہ بھی قائم کر لیا مشیت ایزدی اپنے ایسے غیور بندوں کیلئے سبب خود پیدا کر دیتی ہے قریبی دیہات گوہدو کے ایک ملک صاحب کو شدید قسم کی تکلیف ہوئی آپؒ نے اُس کا علاج کیا اللہ تعالیٰ نے اُسے صحت بخشی تو اس نے خوش ہو کر عرض کی کہ اپنی مرضی سے ایک گائے یا بھینس لے لو بہت اسرار پر آپؒ نے ایک گائے لے لی اس طرح آپؒ کا معیشت کا مسئلہ بھی حل ہو گیا اور طب کی شہرت بھی ہو گئی حکمت کے کام کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین اور بدعات کے قلع قمع کرنے کو بھی اپنا مقصد حیات بنا لیا اس طرح گم کردہ راہ لوگوں کی اصلاح و رہنمائی کا کام بھی شروع کر دیا

ازدواجی زندگی :۔

وطن واپسی کے بعد آپؒ کی نسبت خالہ کی بیٹی سے طے ہوئی اور جلد ہی آپؒ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر نئی زندگی کی ابتدا کر دی۔

علاقہ میں دینی خدمات :

آپ جتنا عرصہ سموں میں قیام پذیر رہے اپنے گاؤں اور ملحقہ دیہاتوں میں تبلیغ دین میں مصروف رہے آپؒ بدعات اور خلافِ سنت کاموں کے سخت خلاف تھے اور ان کو روکنے

کیلئے ہرممکن کوشش کرتے تھے لوگ مروّجہ رسوم کے مطابق مختلف مواقع پر حلوہ، چاول، کھیر وغیرہ پکاتے تھے اور اُسے : درود : کا نام دیتے تھے آپؒ فرماتے تھے کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے دِنوں کی تخصیص کیے بغیر مالی صدقہ کرنے میں کوئی جبر نہیں چنانچہ آپ خود بھی اس طرح عمل کر کے لوگوں کی رہنمائی کرتے تا کہ بدعات کا خاتمہ ہو۔ایک مرتبہ آپ گاؤں میں اپنے بھائیوں سمیت بھوک سے نڈھال تھے اور گاؤں کے مرحوم خان کے گھر دیگیں پک رہی تھیں قل جیسی بدعات کی وجہ سے ان کا کھانا نہ کھایا اور بدعت کے خاتمہ کیلئے بھوک برداشت کر لی۔خود نہ کھا کر عمل کر کے دکھایا۔

ٹیکسلا آمد اور مستقل قیام :۔

چونکہ دیہاتی ماحول ہونے کی وجہ سے طب کا زیادہ کام نہیں تھا اسلئے اِس فیض کو عام کرنے کیلئے 33-1932ء میں آپؒ ٹیکسلا تشریف لائے اور تا حیات یہیں حکمت کا کام جاری رکھا اور ساتھ ہی دین کی خدمت بھی کی بالخصوص رافضیت کے فتنے کا بڑی حکمتِ عملی اور بہادری سے مقابلہ کیا۔

فتنہ رفض کا مقابلہ :۔

ٹیکسلا شہر کے مشرقی حصہ محلّہ مکراں، موچیاں، عنایت شاہی، اور موہڑہ شاہ ولی شاہ میں سادات کی کثیر تعداد آباد تھی اور اکثریت سنّی عقیدہ رکھتے تھے چند شیعہ عقائد والے بھی تھے لیکن مذہبی یگانگت موجود تھی لکھنوی تحریک مدح صحابہؓ کے ملک گیر اثرات کے موقع پر لکھنو سے ایک شیعہ ذاکر بشیر انصاری کو ٹیکسلا لایا گیا جس نے اپنے جارحانہ اندازِ تقریر سے پُرسکون فضا کو خراب کر دیا اور جگہ جگہ کشیدگی پیدا کر کے مناظرہ کے چیلنج دینے لگا اس معاملہ میں اُسے ایک بااثر ذیلدار خاندان کے سربراہ کی سرپرستی بھی حاصل تھی اور اس علاقہ کے کمزور لوگوں کا جینا دوبھر ہو گیا اس پر ان خاندانوں کے سرکردہ لوگوں نے علماء سے رابطہ کیا اور دفاعی حکمت عملی کیلئے صلاح مشورہ ہوا۔ان دنوں مولانا حکیم محبوب عالم صاحب ٹیکسلا قیام پزیر ہو چکے تھے اور ٹیکسلا میں موجود مذہبی خاندان جس کے موجودہ خطیب جامع مسجد مولانا علاءالدین صاحبؒ تھے اُن سے قریبی تعلق تھا اور ان ہی کی دوکانوں میں آپؒ نے طبی دواخانہ بنایا تھا اور غالبًا یہ پہلے فارغ التحصیل عالم دین تھے جو یہاں مقیم ہوئے تھے ظاہر ہے اہل سنت کا رجوع آپکی طرف ہوا آپؒ نے علاقہ کے علماء بالخصوص بھوئی گاڑ کے علمی خاندان کے چشم و چراغ مولانا عبدالحی صاحبؒ سے رابطہ کیا مشورہ کے بعد اس موضوع پر کام کرنے والے ملک کے مشہور علماء کو بلوا کر مناظرہ کا چیلنج قبول کرنے کا فیصلہ ہوا۔یہ 1932ء سے 1934ء کا سال تھا انگریز کی عملداری تھی امن وامان کے قیام کیلئے حکومت نے سخت انتظامی اقدامات کئے اور مناظرہ کی جگہ چوک سرائے کالا میں قائم سرکاری سکول کا وسیع میدان طے ہوا شیعہ کی طرف سے بشیر انصاری اور اہل سنت کی طرف سے مولانا محمد چراغ صاحب مناظر مقرر ہوئے اور ایک پادری کو ثالث بنایا گیا۔مناظرہ کے دوران کسی متنازعہ بات پر انتظامیہ نے مناظرہ کی مجلس ختم کرادی اور فریقین اپنی اپنی فتح کا نعرہ لگاتے ہوئے بکھر گئے۔

علالت اور وصال :۔

1953ء میں جب کہ عمر 65 سال تھی آپؒ کے جسم میں پانی کی زیادتی ہو گئی جس کیلئے قریبی ہسپتال میں علاج کیلئے داخل ہو گئے لیکن آپؒ جانبر نہ ہو سکے اور وہیں آپؒ کا انتقال ہو گیا وصال والے دن بھائی مولانا محمد جان صاحبؒ کو عیادت کیلئے آئے اور صحت کا حال پوچھا تو فرمایا بھائی خیریت ہے آخری وقت میں بیماری چھوڑ جاتی ہے اسی طرح بھتیجے حافظ عزیز الرحمٰن صاحب کو جو اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ بیمار پرسی کیلئے آئے تھے فرمایا کہ چائے پی کر جانا اُنہوں نے جلدی کا عذر پیش کیا تو فرمایا پھر تمہیں کون چائے پلائے کرے گا آپؒ نے اثار محسوس کر لئے تھے اور ذہنی طور پر اپنے مالکِ حقیقی کے پاس جانے کیلئے تیار تھے چنانچہ اُسی دن داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر اس دارِ فانی سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ سینکڑوں مسلمانوں کو راہِ راست پر چلا کر اور باطل قوتوں کو سرنگوں کر کے ڈھیروں صدقات جاریہ اپنے نامہ اعمال میں درج کر گئے اور اُن کا یہ سلسلہ انشاءاللہ تا ابد جاری رہے گا۔آپ کا وصال 29 ذوالحج 1373 ہجری بمطابق 18 اگست 1954ء بروز اتوار صبح 9 بجے ہوا اور سہ پہر پانچ بجے نماز جنازہ ہوئی۔

اولاد :۔

آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائی تھیں چھوٹا بیٹا بچپن میں ہی فوت ہو گیا اور بڑے صاحبزادے حکیم محفوظ الرحمٰن نے آپؒ کے فیض طب کو تا حیات جاری رکھا۔یہ سلسلہ تا حال آپؒ کے پوتوں نے جاری وساری رکھا ہوا ہے ایک بیٹی بہاولپور میں رہتی ہیں اور دوسری اپنے آبائی گاؤں سمّوں میں رہائش پذیر ہے جن کے صاحبزادے احتشام الحق صاحب ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپؒ 1931ء میں پیدا ہوئے اور تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں یکم دسمبر 1991ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پائی. والد مرحوم کی وفات کے بعد اُن کے جانشین کے طور پر مطب کا کام جاری رکھا اور تا حیات اسی مشغلے میں مصروف رہے موصوفؒ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت تھے اور لاہور اکثر حاضری دیتے تھے آپ نے اپنی ساری مصروفیات اپنے آبائی پیشہ خدمت خلق یعنی طب کیلئے ہی وقف کر رکھیں تھیں اور ابا جان مرحوم کے اس سلسلہ کو فروغ بخشا مخصوص طبیعت کی بنا پر خود کو مذہبی. سیاسی. سماجی. معاملات سے اپنے آپ کو دور ہی رکھا آپؒ نے پسماندگان میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں ہیں جن میں بڑے صاحبزادے جناب حکیم محمد اسعد صاحب اب مطب کا کام سنبھالے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی اپنے چھوٹے بھائی محمد سعید کو بھی اس کار خیر میں شامل کر رکھا ہے آپؒ کے صاحزادگان میں حافظ محمد سعد صاحبؒ جو فارغ التحصیل عالم دین تھے مطب کے ساتھ ساتھ دینی خدمت اور جمعیت علمائے اسلام کے ساتھ وابستہ ہو کر سیاسی کام بھی کرتے رہے اُن کی وفات کے بعد کچھ عرصہ سے حکیم محمد اسعد صاحب یہ کام کر رہے ہیں.

حافظ محمد سعد صاحبؒ:۔

آپؒ بھائی محمد اسعد صاحب سے دو سال بعد 1963ء میں پیدا ہوئے عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کی سعادت علاقہ کے مشہور استاد حافظ مبارک صاحبؒ سے ملپور گاؤں میں حاصل کی. اور دورۂ حدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے کیا طویل عرصہ تک واہ کینٹ کے 26 ایریا کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور اکابرین علماء دیوبند کی سیاسی تنظیم جمعیت علماء اسلام کو علاقہ بھر میں منظّم کیا اپنی جماعت کی طرف سے انتخابات میں بطور امیدوار حصہ لیتے رہے اور اس کے علاوہ علاقہ بھر کی دینی سرگرمیوں میں بھی بھرپور تعاون کرتے رہے. آپؒ 15 اپریل 2007ء کو عارضہ قلب کی وجہ سے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے اور اپنی ذمہ داریاں سوگوار بھائیوں کو منتقل کر گئے جو خوش اسلوبی سے اُن سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد جان صاحب نور اللہ مرقدہ

پیدائش:۔

آپ کی ولادت 1901ء میں ہوئی مولانا محمد جان اور مولانا محمد داؤد کی والدہ ایک ہی تھیں، جبکہ مولانا محبوب عالم صاحب کی والدہ دوسری تھیں۔

ابتدائی تعلیم:۔

بچپن میں ہی والد محترم داغِ مفارقت دے گئے گھر میں قرآن مجید اور دینی تعلیم کے ساتھ آپؒ کو عثمان کھٹڑ کے سکول میں ہی داخل کرایا گیا جہاں آپ کے ماموں آپؒ کو کندھے پر بیٹھا کر لے جاتے تھے پرائمری تک آپؒ نے وہیں تعلیم حاصل کی.

دینی تعلیم:۔

آپؒ دینی تعلیم کیلئے پہلے سیریاں بگڑا پھر مکھڈ سیال. چکوال. گوجرانوالہ. کٹھیالہ وغیرہ تعلیمی مراکز میں تشریف لے گئے سیال شریف میں حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی اور شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ کے مدرسہ میں مولانا عبدالعزیز صاحبؒ سے بعض کتب پڑھیں. اُس کے بعد اجمیر شریف کی خانقاہ کے مدرسہ میں دو سال تک زیر تعلیم رہے پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دو سال تک اکابر علماء دیوبند سے فیض پایا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ دیوبند کی تعلیم کے دوران امتحان میں امتیازی پوزیشن حاصل کرنے پر آپ نے کافیہ وغیرہ کتب انعام حاصل کیا۔ ان کتب پر دیوبند کی تعلیم کا زمانہ 1937ء مرقوم ہے۔

بعد ازاں آپ اپنے بڑے بھائی مولانا محبوب عالمؒ کے بعد دہلی تشریف لے گئے وہاں جامعہ امینیہ میں داخلہ اور دورہ حدیث کی تکمیل جامعہ امینیہ دہلی میں کی۔

حکمت کی تعلیم:۔

دہلی قیام کے دوران حکیم اجمل خان سے بھی شرف تلمذ حاصل ہوا اور طبیہ کالج میں طب کے مکمل علوم حاصل کر کے سند فراغ حاصل لی۔

دہلی کی مصروفیات:

آپؒ نے دہلی میں کچھ عرصہ ایک مسجد کی امامت بھی جاری رکھی اور مکتبہ مجتبائی دہلی میں بطور مصحح ملازمت بھی کرتے رہے اسی طرح کچھ عرصہ ایک دواخانہ میں بھی کام کرتے رہے.

لاہور کا قیام اور بیعت طریقت :

دہلی سے واپس آکر آپؒ نے امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے دورۂ تفسیر مکمل کیا اور تھوڑا عرصہ گھر رہ کر پھر حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں چلے گئے اور قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر پڑھ کر وہیں اُن کے مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھانے لگے اسی عرصہ میں آپؒ نے حضرت لاہوریؒ سے بیعت وطریقت کر کے سلوک کی تربیت بھی حاصل کی.

بہاولپور روانگی اور قیام :

کچھ عرصہ بعد لاہور سے واپس اپنے گاؤں تشریف لائے لیکن مالی حالات کی کمزوری اور مقروض ہو جانے کی وجہ سے برادرِ اصغر مولانا محمد داؤد صاحبؒ کو ہمراہ لے کر بہاولپور تشریف لے گئے وہاں دونوں بھائی جامع عباسیہ میں اسلامیات کے مدّرس مقرر ہوئے اور آپؒ دوسال ملازمت کے بعد قرضہ کی رقم پوری ہو جانے پر واپس گھر تشریف لے آئے یہ غالباً 1933ء کا سال تھا.

گاؤں میں واپسی اور مصروفیت :۔

گاؤں واپس آکر آپؒ نے حکمت شروع کر دی جس کے ذریعہ بنی نوع انسان کی جسمانی خدمات اور روحانی غذا کے لئے ساتھ ہی دینی علوم کی تدریس اور تبلیغ کا اپنا معمول بنالیا جو تاحیات جاری رہا 1950ء تک اپنی مسجد میں اپنے شیخ طریقت کی طرز پر درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اور ساتھ ہی ملحقہ دیہات گڑھی افغاناں میں بھی درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور کافی عرصہ جاری رکھا اس کے علاوہ آپ نے طب کی کتابیں بھی سبقاً پڑھائی ہیں۔مولانا عبدالمعبود صاحب فرماتے ہیں کہ 1956ء میں انہوں نے میزان الطب وغیرہ آپ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

دینی مدرسہ کا قیام :۔

مقامی وبیرونی طلبہ کیلئے درس نظامی کی کتابوں کی تعلیم کا سلسلہ مسجد میں ہی شروع فرمایا اور خود حدیث.فقہ.منطق.اور طب کے اسباق پڑھاتے تھے یہ نظام تقریباً 1954ء تک جاری رہا سینکڑوں طلبہ نے آپؒ سے فیض حاصل کیا جن میں قابل ذکر علماء یہ ہیں مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ.مولانا خلیل الرحمٰن صاحب (سکندر پورہ ہری پور) مولانا عبدالمھیمن صاحبؒ.مولانا عبدالغنی صاحبؒ.مولانا محمد صدیق شہیدؒ اور مولانا اسرارالحق صاحب (اچھڑیاں مانسہرہ) شامل ہیں

باطل نظریات وبدعات کا مقابلہ :۔

پاکستان کے قیام سے قبل آپؒ نے فوجِ محمدی کے نام سے باقاعدہ تنظیم قائم کی جس کی بنیاد مولانا گل شیر صاحب اور بگوی حضرات نے رکھی جس کا کام بے نمازی حضرات کو نماز کی طرف راغب کرنا.اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا. بالخصوص بدعات وغیر اسلامی رسومات کا خاتمہ تھا جس کیلئے بسا اوقات جانی قربانی بھی دینی پڑتی.ٹیکسلا میں مسجد کے شیعہ سنّی تنازعہ میں بھرپور افرادی قوت مہیا فرمائی 2 اگست 1959ء بروز اتوار ٹیکسلا کے شیعہ کے تعاون سے اہل دیہہ نے مجلس کرنا چاہی۔اسی طرح جب 1961ء میں روافض نے ماتمی جلوس نکالنے کی کوشش کی تو موصوف نے اُسے ساتھیوں کے تعاون سے بزورِ قوت روکا جس کے بعد آج تک شیعہ کو جلوس برآمد کرنے کی جرات نہ ہوسکی۔ پہلی تحریک ختم نبوتﷺ میں پرجوش حصہ لیا حضرت غلام غوث ہزارویؒ کی گرفتاری کیلئے آپؒ کے گھر چھاپہ بھی پڑا اور آپؒ کے صاحبزادے حکیم مولانا عبدالرحمٰن صاحب گرفتار ہوئے اور تین ماہ جیل کی سختیاں برداشت کیں آپ کی قیادت میں ملحقہ دیہاتوں کے متعدد نوجوانوں اور بزرگوں نے گرفتاریاں پیش کیں.

شیخ طریقت کی خدمت اور اُن کے ہاں آپ کا قیام :۔

لاہور قیام کے دوران قاسم العلوم مدرسہ میں تدریس کی خدمت کے علاوہ جب 1922ء تا 1923ء میں حضرت احمد علی لاہوریؒ تفسیرِ قرآن لکھنے کیلئے خوشگوار مقام واہ گاؤں کی اُس مسجد میں قیام پزیر ہوئے جو پانی کے شفاف چشموں کے درمیان واقع ہے تو اِس دوران آپؒ بھی اپنے گاؤں سے مسلسل اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حسب الحکم ضروریات کی اشیاء بھی مہیا کرتے۔دونوں گاؤں کے درمیان پیدل کافی فاصلہ پیدل طے کرتے رہے حضرت لاہوریؒ خود بھی ؛سموں ؛ گاؤں تشریف لاتے تھے حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ بتایا کرتے تھے کہ میں جب کبھی حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری دیتا تو آپؒ فرماتے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ مولانا محمد جان صاحب صاحبؒ کو اجازت بیعت دوں کیونکہ اُن کا مقام بہت اونچا ہے البتہ مجھے فرماتے کہ آپ میرے پاس ضرور آیا کریں اور میں عموماً سحری کے وقت مسجد میں پہنچتا تو مجھے دیکھتے ہی فرماتے مولوی داؤد آ گئے ہو بتاؤ مولوی محمد جان صاحبؒ کا کیا حال ہے؟ حضرت مولانا محمد جان صاحبؒ اپنے شیخ کی اتباع میں مرکزی جامع مسجد گڑھی افغاناں میں ہفتہ وار قادری سلسلہ کی مجلس ذکر کراتے

رہے جس میں ملحقہ دیہاتوں کے حضرات بھی شرکت کرتے تھے آپؒ باقاعدہ فضائل ذکر اور اصلاحی اعمال کے متعلق خود بیان فرماتے تھے۔
مولانا عبدالمعبود صاحب فرماتے ہیں کہ میں شیخ طریقت حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی ملاقات کے لئے شیرانوالہ مسجد حاضر ہوا۔صبح تقریباً دس بجے حضرت مولانا محمد جان صاحبؒ، حضرتؒ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔میں نے عرض کیا حضرت تو نماز ظہر کے وقت باہر تشریف لائیں گے۔حضرت مولانا نے فرمایا، اچھا۔اور میرے ساتھ خاموش بیٹھ گئے ابھی چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت لاہوریؒ نے حجرہ کا دروازہ کھولا اور مولانا صاحب سے بغل گیر ہو گئے اور بڑی مسرت سے ان کو حجرہ میں لے گئے۔میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ حضرتؒ کو معانقہ کرتے دیکھا اور محض مولانا صاحب کی خاطر قبل از وقت باہر تشریف لانا۔

آپؒ کا مزاج اور شریعت کی پابندی:۔

آپؒ انتہائی جمالی مزاج رکھتے تھے ہمیشہ آپؒ کی نگاہ نیچی رہتی تھی اور انتہائی نرمی سے گناہوں اور منکرات سے بچنے کی نصیحت فرماتے نماز جمعہ کیلئے طویل عرصہ پیدل چل کر ٹیکسلا شہر تشریف لاتے رہے کیونکہ آپؒ دیہات میں جمعہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے جب گڑھی افغاناں میں آبادی زیادہ ہوگئی بازار وغیرہ بن گئے تو دارالعلوم دیوبند سے جواز کا فتویٰ حاصل کرنے کے بعد وہاں جمعہ پڑھنا شروع کیا آپ کے قریبی شاگرد اور خادم حافظ مبارک صاحبؒ نے بیان کیا کہ آپؒ ایک دفعہ راولپنڈی مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا بیان سننے کیلئے تشریف لے گئے میں بھی ہمراہ تھا مسجد میں داخلہ کے وقت میں نے آپؒ کی جوتیاں اٹھا لیں اور ایک جگہ بلاتعین سمت رکھ دیں آپؒ نے مجھے منع فرمایا کہ جوتیوں کو قبلہ رخ نہیں رکھنا چاہیئے۔

چھوٹے بھائی سے شدید محبت اور ایثار:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحبؒ چونکہ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے اور آپؒ سے چھ سال چھوٹے تھے اس لئے آپؒ انہیں پوری شفقت مہیا کرتے اور اُن کا بہت خیال رکھتے تھے حضرت نے خود بتایا کہ ایک بار میں بغیر بتائے کہیں چلا گیا تو بھائی نے سو رکعت نفل نماز پڑھنے کی منت مانی کہ اگر وہ مل جائے تو میں شکرانے کے طور پر سو نفل پڑھوں گا اسی طرح جب مولانا محمد داؤد صاحبؒ کشمیر کی سیاحت کیلئے گئے اور کافی وقت گزر گیا تو آپؒ اُن کی تلاش کیلئے نکلے اور ایک شاگرد کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ بھائی محمد داؤد کشمیر میں اکھنور کے علاقہ میں ہیں تو آپ ایک عالم دین مولانا غلام خان صاحبؒ کو لے کر سفر پر روانہ ہو گئے لالہ موسیٰ تک ٹرین پر گئے اور وہاں سے آگے پیدل کشمیر کے علاقہ میں پہنچے اور بھائی کو تلاش کر کے واپس گاؤں لے آئے۔

ذوقِ عبادت:۔

فرائض کے علاوہ آپؒ نفلی نمازوں کا بہت اہتمام فرماتے رمضان المبارک کی طاق راتوں میں باوجود ضعف اور نقاہت کے حافظ قائم الدین صاحبؒ سے روزانہ چھ سپارے نوافل میں کھڑے ہو کر سماعت فرماتے۔ایّام بیض کے روزے بھی باقاعدگی سے رکھتے اور اس کے علاوہ بھی اکثر روزے میں رہتے۔

حج بیت اللہ:۔

آپؒ نے 1964ء بمطابق ۱۳۸۳ھ میں ایک ہی حج ادا فرمایا اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۲۹ محرم ۱۳۸۴ بروز جمعرات واپس تشریف لائے۔

دینی غیرت میں مداہنت سے گریز: ۔اگرچہ آپؒ کی طبیعت میں بہت نرمی تھی اور شفقت کا پہلو غالب تھا مگر دین کے معاملہ میں کسی ناراضگی اور مخالفت کی پرواہ نہ کرتے تھے آپؒ کے ایک قریبی دوست گاؤں کے خان عرف جھلا خان نے ایک محفل میں بتایا کہ گڑھی افغاناں کے ایک بااثر خان نے شادی کے موقع پر غیر شرعی کام کیئے تو آپؒ نے فرمایا کہ آئندہ جس محفل میں وہ شریک ہوگا میں وہاں نہیں جاؤں گا اور نہ ہی اس کا جنازہ پڑھوں گا۔اسی طرح جھلا خان صاحب نے بیان کیا کہ میرے والد صاحب قتل ہو گئے تو صلح کیلئے ملزموں کی طرف سے جرگے وغیرہ آنے شروع ہوئے تو مجھے فرمایا جس جرگے میں کوئی شیعہ ہو تو صلح نہ کرنا ایک بار شہر والوں کے اصرار پر میں نے ایسے جرگے میں شرکت کر لی تو وہ بیل منڈھے نہ چڑھی اور صلح نہ ہو سکی صلح کے عنوان پر مجھے یہ بھی ہدایت کی کہ مجبوری کی حالت میں اگر صلح کرنی پڑے تو کر لینا لیکن قاتل کو بخشنا نہیں البتہ بدلے میں اُسے قتل بھی نہ کرنا چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی مگر کچھ عرصہ بعد کسی اور نے اُس شخص کو قتل کر دیا۔

وصال اور وصّیت:۔

آٹھ رجب ۱۴۰۰ھ بمطابق 4 جون 1979ء آپؒ کو دل کا دورہ ہوا لیکن کچھ دیر بعد افاقہ ہو گیا جب صاحبزادے حافظ عزیز الرحمٰن صاحب گھر آئے تو اُن کو وصیت فرمائی کہ گھریلو معاملات میں تیزی اختیار نہ کرنا بلکہ معاملات کو اعتدال سے حل کرنا اس لئے کہ میرے ہاں اُن دنوں کچھ ناچاقی چل رہی تھی دوسرا چھوٹی بہن جو اُن دنوں ہمارے ہاں ہی رہائش

پڑ یرتھیں کے بارے میں اپنی پریشانی کا اظہار فرمایا کہ میں نے اس کے بارے میں ایک خواب دیکھا ہے اس لئے بہن کا بہت خیال رکھنا اور ہمیشہ اُس کی دلجوئی کرتے رہنا تیسری بات چھوٹے بھائی حکیم عبدالرشید صاحب کے بارے میں فرمائی کہ وہ مالی معاملات میں بہت جلد گھبرا جاتا ہے اس کی نگرانی اور معاونت کرتے رہنا میں نے تعمیل ارشاد کا وعدہ کیا اورعرض کی اللہ تعالیٰ آپؒ کو صحت عطا فرمائے ہمیں آپ کی سرپرستی کی شدید ضرورت ہے مغرب کے بعد ٹیکسلا سے بڑے صاحبزادے مولانا حکیم عبدالرحمٰن صاحب بھی تشریف لے آئے آپؒ کو اس وقت تک افاقہ تھا دوائی وغیرہ استعمال کرائی گئی اور آپ عشاء کے بعد صحن میں لیٹ گئے سحری کے وقت خود اٹھے وضو کیا اور جائے نماز بچھائی تاکہ اپنا زندگی بھر کا نمازِ تہجد کا معمول پورا فرمائیں اسی دوران غالباً دوبارہ دل کی تکلیف ہوئی اور آپ چارپائی پر لیٹنے لگے لیکن پورے لیٹ نہ سکے اور پاؤں زمین پر ہی رہے حافظ صاحب بتاتے ہیں کہ میں جب آیا تو یہ سمجھا کہ شاید نماز پڑھ چکے ہیں اور نقاہت کی وجہ سے چارپائی پر نہیں چڑھ سکے میں نے پاؤں اوپر کر کے کپڑا ڈال دیا کہ آرام فرمائیں اور خود مسجد میں نماز کیلئے چلا گیا واپس آ کر میں بھی لیٹ گیا۔صبح جب گھر والے دوائی لے کر آئے تو دیکھا کہ آپؒ بے ہوش تھے اس دوران ٹیکسلا سے چچا جان مولانا محمد داؤد صاحبؒ بھی تشریف لے آئے اور بڑے بھائی کے مشورہ سے دوائیاں وغیرہ استعمال کرائیں لیکن افاقہ نہ ہوا اس پر دوستوں کے مشورہ سے والد صاحب کو واہ ہسپتال لے گئے اور علاج کیلئے داخل کرا دیا گیا باوجود علاج کے آپؒ کو ہوش نہیں آیا اور منگل . بدھ کی درمیانی رات ہسپتال میں ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے اس وقت آپؒ کے پاس مولانا مسعودالرحمٰن صاحب اور مولانا عزیزالرحمٰن ہزاروی صاحب موجود تھے آپ نے استفسار پر فرمایا کہ ہسپتال میں آپ کی عجیب کیفیت تھی جو عملہ دیکھ بھال اور علاج پر مامور تھا وہ یہ دیکھ کر حیران تھا کہ دماغی فالج کے باوجود آپؒ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے نرسیں ایک دوسرے کو بلا کر یہ کیفیت دکھا رہی تھیں انہیں تو اس بات کا ادراک نہ تھا اصل میں یہ پاس انفاس تھا جو مسلسل جاری تھا جب روح پرواز کر گئی تو ڈاکٹر موت کی تصدیق کرنے سے گریز کر رہے تھے کیونکہ آپؒ کا جسد مبارک گرم تھا اور جسم میں زندگی والی لچک موجود تھی آپ کی یہ کیفیت غسل اور اس کے بعد تک جاری رہی بوقت وصال آپؒ کی عمر مبارک تقریباً 80 سال تھی.

جنازہ اور تدفین:۔

۱۰ رجب ۱۴۰۰ھ بمطابق 6 جون 1979ء بروز بدھ آپ کے آبائی گاؤں سموں میں مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ کی امامت میں عوام کے علاوہ سینکڑوں علماء و مشائخ حفاظ وقراء اور صالحین نے جنازہ کی نماز ادا کی وہیں گھر کے پاس آبائی قبرستان میں ظہر کے بعد ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں تدفین ہوئی.

اولاد:۔آپؒ کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم عبدالرحمٰن صاحب پھر مولانا حافظ عزیزالرحمٰن صاحب اور مولانا حکیم عبدالرشید صاحب جو سب وفات پا چکے ہیں

صاحبزادگان کے حالات زندگی

مولانا حکیم عبدالرحمٰن صاحبؒ:۔

آپؒ 33-1932ء میں پیدا ہوئے مڈل تک عصری تعلیم گڑی افغاناں کے سکول میں مکمل کی اور پھر دینی علوم جامعہ اشرفیہ لاہور اور نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے حاصل کئے۔ دورۂ حدیث 1962ء میں مکمل کیا حکمت چونکہ آبائی پیشہ تھا اس کا علم بھیرہ کے حکیم شاہ محمد صاحب اور سرائے صالح ہری پور کے حکیم اجمل خان صاحب کے شاگرد حکیم عبدالواحد صاحب سے حاصل کیا اور سرکاری سند اے کلاس طبیب کے طور پر امتحان دیکر حاصل کی اور اس کے بعد ٹیکسلا شہر میں حکمت کا کام شروع کیا اور ساتھ ہی امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیئے۔تا حیات مکی جامع مسجد سرائے کالا ٹیکسلا کے خطیب رہے۔آپؒ کا انتقال 15 جولائی 2003ء کو ہوا.آپؒ کے دو صاحبزادیاں اور صاحبزادے عبدالحفیظ.مطیع الرحمٰن.عبدالحمید.احسان الحق.اور عامر محمود ہیں.

مولانا حافظ عزیزالرحمٰن صاحبؒ:۔

حافظ عزیزالرحمٰن صاحب 6 مئی 1944ء کو پیدا ہوئے عصری تعلیم میں مڈل کے وظیفہ کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی میٹرک ہائی سکول واہ کینٹ کا امتحان بھی وظیفہ سے پاس کیا پھر دینی علوم کیلئے مدرسہ اظہار الاسلام چکوال میں داخلہ لیا اس کے بعد سکندر پور میں مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کے پاس، وہاں سے آ کر دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار میں زیرتعلیم رہے اور آخر میں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر ان علوم کی تکمیل کی اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو ذہن رسا عطا فرمایا اور آپؒ کو علم کا شوق بھی بہت تھا چنانچہ سے آپؒ نے پنجاب بورڈ لاہور سے 1962ء میں فاضل فارسی اور 1963ء میں فاضل عربی کے امتحان اول پوزیشن کے ساتھ گولڈ میڈل لے کر پاس کئے 66-1964ء میں ایف اے اور 1967ء میں بی اے کرنے کے بعد 1970ء میں ایم۔اے عربی کی ڈگری حاصل کی اور 1975ء میں ایل۔ایل۔بی یعنی قانون کی ڈگری حاصل کی.اس

مذکورہ عرصہ میں اپنے مادر علمی مدرسہ نصرۃ العلوم میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے جس کا سلسلہ 1979ء تک تقریباً سولہ سال جاری رہا. کچھ خانگی مجبوریوں کی وجہ سے گاؤں واپس آ کر ایچ۔ایم۔سی میں ملازمت اختیار کر لی لیکن چند سال بعد یہ ملازمت چھوڑ کر جامعہ محمدیہ اسلام آباد میں تدریس شروع کر دی جہاں آپؒ کے بہت ہی شفیق اور محترم استاد جن کے ساتھ آپؒ کا انتہائی قریبی تعلق تھا حضرت مولانا عبدالقیوم ہزاروی صاحبؒ بطور شیخ الحدیث خدمات انجام دے رہے تھے آپؒ نے تاحیات اُسی مدرسہ میں دینی علوم کی تعلیم دی. والد گرامی کے وصال کے بعد آپؒ گاؤں کی کھجور والی مسجد میں قائم شدہ مدرسہ کی تاحیات سرپرستی فرماتے رہے اور انتظامی امور کو بخوبی انجام دیتے رہے.

مختصر خدمات:۔

قیام گرجرانوالہ کے دوران آپؒ نے بہت سی کتابیں لکھیں بعض کتابوں کے تراجم کئے. اور علمی خدمات انجام دیں اس کے علاوہ اپنے اکابر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اور امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کی تعلیمات کو اُن کی اصل شکل اور صحیح تشریح کے ساتھ اہل علم تک پہنچایا اور ساتھ ہی سیاست میں علماء کی وارث جماعت جمعیت علمائے اسلام کی طلباء تنظیم "جمعیت طلبائے اسلام" قائم کر کے کالجوں اور سکولوں میں ایک قابل ذکر جماعت پیدا کی جس نے لادینی نظریات کا بھرپور طریقہ سے مقابلہ کیا اور اسلامی جماعت ہونے کی وجہ سے اصل دینی نظریات کا پرچار کیا. آپؒ کے چار بیٹے حافظ حبیب الرحمٰن. حافظ عبیدالرحمٰن. آصف محمود اور عامر محمود ہیں. آپؒ کا وصال 24 اکتوبر 2003ء کو ہوا.

مولانا حکیم عبدالرشید صاحب:۔

آپؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حکیم عبدالرشید صاحب تھے جو 1948ء میں پیدا ہوئے پرائمری تک گڑھی افغاناں کے سکول میں تعلیم حاصل کی اور دینی تعلیم فتح اللہ .چکوال. جہلم اور گرجرانوالہ سے حاصل کی دورۂ حدیث کی تکمیل استاذ العلماء مولانا عبدالقیوم ہزارویؒ سے تدریجاً کی علم تجوید بھی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے حاصل کیا بعد میں ڈسپنسر کورس گورنمنٹ ریحانہ ہسپتال ہری پور میں پاس کیا حکمت کی موروثی تعلیم والد گرامی سے پڑھی 1968ء سے 1979ء تک مسلسل والد صاحب کے ساتھ گاؤں میں مطب کا کام کرتے رہے اور طب میں مہارت حاصل کی خطابت کے فرائض 1969ء سے 1990ء تک پنڈ گا کھڑہ ضلع ہری پور کی جامع مسجد میں ادا کرتے رہے اور اُس کے بعد تاحیات اپنی گاؤں والی مسجد میں جمعہ پڑھاتے رہے. آپؒ کی وفات 12 جنوری 2003ء کو ہوئی.

یادگار اسلاف حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب دامت برکاتہم

کا

خراج عقیدت

ایک اور چراغ دین ودانش گل ہوگیا

وطن اصلی:۔

حضرت مولانا محمد داؤد رحمتہ اللہ علیہ کا اصل وطن کشمیر جنت نظیر تھا، اجداد میں سے کوئی بزرگ "سموں" نزد گڑھی افغاناں تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔
ان کے خاندان میں سے حکیم فضل الہٰی کے تین فرزند ارجمند تھے، مولانا حکیم محبوب عالم، مولانا حکیم محمد جان اور مولانا حکیم محمد داؤد، ماشاءاللہ تینوں جید عالم، علم طب میں مہارت کاملہ کے حامل اور بے حد متقی پرہیزگار تھے۔
حضرت مولانا محمد جان جو شیخ التفسیر حضرت لاہوری نوراللہ مرقدہ کے شاگرد رشید اور تلمید خاص تھے۔ سموں ہی میں علم وحکمت کے سدا بہار گلشن کی آبیاری فرماتے رہے اور تادم مرگ خدمت میں مصروف رہے۔ مولانا محبوب عالم اور مولانا محمد داؤد ٹیکسلا میں اقامت گزیں ہوئے۔

حصول تعلیم وتدریس:۔

مولانا محمد داؤدؒ نے علم طب اپنے بڑے بھائی مولانا حکیم محبوب عالم سے حاصل کیا، اور ایشیا کی مایہ ناز اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں علوم متداولہ کے حصول کی غرض سے تشریف لے گئے۔ جہاں شہرہ آفاق اساتذہ بشمول شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی سے اکتساب علم کیا۔ بعدازاں محدث کبیر علامہ محمد انور شاہ کشمیری سے کسب فیض کی غرض سے ڈابھیل چلے گئے۔ اسلامی علوم وفنون کے گراں مایہ خزانہ سے مالا مال ہونے کے بعد لاہور میں قدیم وجدید علوم کی تحصیل کے لئے اورنٹیل کالج میں داخلہ لے لیا۔ فراغت کے بعد ریاست بہاولپور کے مشہور زمانہ جامعہ اسلامیہ میں عرصہ دراز تک علمی کمالات کی ضیاء پاشی کرتے رہے۔ موصوف کا شمار نامور اور ممتاز اساتذہ میں ہوتا تھا، ریاست کے لوگ ان کی علمی برتری کے قائل تھے، مناظرہ کا بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔

باطل نظریات کا مقابلہ:۔

عقیدہ ختم نبوت پر جان نچھاور کرتے تھے۔ اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس کا تحفظ کرنے میں سرگرم عمل رہے، بہاولپور کے قیام کے زمانہ میں قادیانیوں کے ساتھ کئی مرتبہ بحث ومناظرہ کی نوبت آئی۔ بعونہٖ تعالیٰ کامرانی نے ہمیشہ قدم بوسی کی اور قادیانیوں کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

قادیانی مبلغ سے مناظرہ:۔

مولانا فرماتے تھے ایک مرتبہ قادیانیوں سے وفات عیسیٰؑ کے متعلق اس شرط پر مناظرہ طے ہوا کہ اگر تم قرآن مجید سے کوئی ایسی آیت پیش کردو جس میں موت کا لفظ ہو توفی وغیرہ جیسا لفظ نہ ہو تو، تو وفات عیسیٰؑ کا تمہارا نظریہ درست تسلیم کرلوں گا۔ اور اگر ایسی آیت نہ پیش کرسکو، تو پھر تمہیں حیات مسیحؑ کا قائل ہونا پڑے گا۔ چنانچہ جب مناظرہ شروع ہوا اور دونوں طرف سے بڑی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ مرزائیوں نے یہ موقف اختیار کیا، کہ حضرت عیسیٰؑ بھی **من دون الله** میں شامل اور ان کی عبادت کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے تمام معبودان باطلہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ (**اموات غیر احیاء وما یشعرون** نحل ۲۱) شرط کے مطابق لفظ موت نے ثابت کر دیا، اگرچہ استدلال مع الفارق تھا، لیکن مولانا محمد داؤد صاحب نے بھی ایسا مسکت جواب دیا کہ مرزائی منہ دیکھتے رہ گئے، مولانا نے فرمایا، سیدنا عیسیٰؑ معبودان باطلہ میں شامل ہی نہیں ہیں، ان کی برات تو خود اللہ تعالیٰ پیش کررہے ہیں، بنابریں تمہارا استدلال بوگس ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔ (**وقالوء الهتنا خير ام هو، ما ضربوه لک الا جدلا،بل هم قوم خصمون ، ان هو الا عبد انعمناعليه وجعلنه مثلا لبنی اسرائیل** ،الزخرف ۵۷)
اسی اثنا میں ایک مسلمان دوشیزہ کا نکاح مرزائی نوجوان کے ساتھ ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ جو علمی اہمیت اور شہرت کا حامل تھا، معاملہ عدالت میں گیا اور مقدمہ کی پیروی کرنے کے لئے مولانا موصوف کی تجویز پر ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کی امارت کا منصب آپ ہی کو تفویض کیا گیا، سات سال تک مقدمہ چلتا رہا، بالآخر مسلمانوں کے حق میں فیصلہ صادر ہوا۔

مشغلہ طب سے خدمت خلق:۔

بہاولپور سے واپس آ کر ٹیکسلا میں سکونت اختیار کی۔ بظاہر معاشی ضرورت کی غرض سے طبابت کا ذی وقار پیشہ اختیار کیا، جس کے پس پردہ خدمت کا جذبہ کارفرما تھا۔ چنانچہ آپ نے دکھی انسانیت کی بے لوث خدمت میں عمر عزیز صرف کردی، قوم کے زخمی دلوں پر شفقت وترحم کی روح پرور مرہم پٹی کی اور ان کے جان لیوا اور روح فرسا مہلک امراض کا شافی علاج کیا، چار، آٹھ آنے سے زیادہ کسی مریض سے وصول کرنا ان کی شان استغنائی کے خلاف تھا، مریض کی خاطر ومدارات نہ صرف قیمتی اور زود اثر ادویات سے کرتے، بلکہ روحانی علاج کے پیش نظر پہلی خوراک اخلاق وعادات اور عقائد وعبادات کی اصلاح پیش کرتے تھے۔

معاشرہ کی دینی اصلاح کی کاوش:۔

مسلم قوم کی دینی زبوں حالی اور اخلاقی پستی پر خون کے آنسو بہاتے اور اس کی اصلاح وفلاح کی فکر ہمہ وقت دامن گیر رہتی ملک وملت کی ترقی وخوشحالی اور کامیابی وکامرانی کے اسباب وعوامل کی جستجو اور ان پر تدبر وتفکر عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ وہ اس مشن میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور قوم کی دینی ودنیوی تعلیم وتربیت کا ایک جامع منصوبہ تیار کرلیا۔ جس کا

نقش اول جامع مسجد ٹیکسلا میں خطبہ جمعہ کے ذریعہ فریضہ تبلیغ کا آغاز تھا اور تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگا کر گاؤں گاؤں ،قریہ قریہ میں گشت لگا کر لوگوں کو ضروریات دین سے روشناس کرایا۔

قوم کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت:۔

علاوہ ازیں دین ودانش کی ایک جدید کی درسگاہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جہاں قوم کے نونہالوں کو اسلامی علوم اور اسکول کی تعلیم سے بھی بہرہ ور کیا جاتا اور اس کا سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق صد تحسین پہلو یہ تھا کہ میٹرک تک تعلیم کلیتہً مفت تھی۔ کسی قسم کی فیس یا چندہ قطعاً نہیں تھا۔قرآنی علوم وفنون کی تدریس وتبلیغ کی مناسبت سے اسکول کا نام " تعلیم القرآن " تجویز فرمایا اور مسجد کے حجروں میں کام کا آغاز کیا،اس طرح مولانا موصوف شفقت والفت اور محنت وجاں فشانی کے ساتھ تعلیم وتربیت کے مبارک کام میں مشغول ہوگئے۔

لیکن طبیعت میں ایک عجیب خلجان اور دل پر ایک بوجھ سا محسوس کرنے لگے۔کہ تبلیغ دین کا کام چھوڑ کر دنیوی تعلیم دینے میں مصروف ہونا کہیں اللہ رب العزت کے نزدیک قابل گرفت جرم نہ بن جائے۔ بالآخر اپنے مرشد ومربی شیخ التفسیر نوراللہ مرقدہ سے تحریراً استفسار کیا۔جس کے جواب میں حضرت رحمتہ اللہ تعالی علیہ نے ارشاد فرمایا،تبلیغی کام کرنے والے حضرات اس مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں،لیکن جن لوگوں کی تعلیم وتربیت اب آپ کے سپرد ہوچکی ہے اس کی انجام دہی آپ پر لازم ہے۔اطمینان اور محنت کے ساتھ اس کام کو جاری رکھیئے۔

ولی کامل کے یہ تسلی آمیز الفاظ تیر بہدف ثابت ہوئے اور پوری دلجمعی اور انشراح کے ساتھ تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ بلند پایہ معیار تعلیم اور مولانا کی مخلصانہ ومربیانہ جدوجہد نے جلد ہی اسکول کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔اور بچوں کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہوا،کہ مسجد کے دو حجرے تنگئی داماں کا شکایت کرنے لگے۔ چونکہ بچوں کو مسجد کے ادب واحترام کا پاس کرنا نہیں ہوتا۔اور مولانا کا زہد وتقویٰ،اس بات کا متقاضی تھا کہ مسجد کے احترام اور تقدس پر آنچ ہرگز نہ آنے پائے اس لئے بچوں کو وضو والی جگہ اور جوتے اتارنے والی جگہ بٹھا کر تعلیم دینا گوارا کیا،مگر انہیں مسجد کے اندر نہ بیٹھنے دیا،مسجد کی ملحقہ عمارت غیر مسلم مالکان نے تقسیم کے وقت اسلامی تعلیم وتبلیغ کے لئے مسجد کے نام وقف کردی تھی۔ چنانچہ اس عمل میں اسکول منتقل کر دیا گیا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سیل رواں بھی بڑھتا ہی گیا۔ پرائمری سے مڈل اور مڈل سے میٹرک تک ترقی کر گیا۔جس کی بناء پر مذکورہ عمارت بھی ناکافی ثابت ہوئی۔حسن اتفاق سے اسکول کے متصل ایک اور متروکہ جائیداد موجود تھی اور ایک رحم دل گرداور اپنے دورہ کے دوران سکول میں گیا اور بچوں اور اساتذہ کا تعلیمی انہاک دیکھ کر بے حد خوش ہوا،لیکن بچوں کی کثرت اور جگہ کی قلت سے دل گرفتہ ہوگیا۔اس نے موجود مالک سے قبضہ منتظمین اسکول کو دلا دیا تاکہ بچے طمانیت وسکون قلبی کے ساتھ حصول تعلیم میں مصروف رہ سکیں۔اساتذہ کے خلوص وللّٰہیت اور مخلصانہ محنت اور بلند پایہ تعلیمی معیار کے باعث اسکول کو چار چاند لگ گئے اور سارے علاقہ کے اسکولوں میں " تعلیم القرآن ہائی سکول" نے جلد ہی ممتاز اور منفرد حیثیت حاصل کر لی تھی۔

مولانا محمد داؤد کا مطمح نظر اور شعار "ان اجری الا علی اللہ" تھا۔ وہ اس خدمت کا صلہ صرف اللہ کریم سے چاہتے تھے۔دنیوی منفعت اور حرص وآز کا ان کے دل میں شائبہ تک نہ تھا۔اور اللہ تعالیٰ نے اساتذہ کی ٹیم بھی ایسی فراہم کردی جو توکل ورضا اور استقامت کے پیکر تھے اور **من یتو کل علی الله فهو حسبه** کی مجسم تصویر تھے۔مولانا رحمت دین اور مولانا غلام ربانی جیسے جفاکش اور محنتی اساتذہ کو فنڈ نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات گیارہ گیارہ ماہ تنخواہ نہ ملی،تب بھی شکوہ وشکایت کا لفظ زبان پر نہ لائے۔

تعلیم القرآن ہائی سکول کی علمی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت اور شہرت کے باعث شیخ التفسیر حضرت لاہوری،شیخ الاسلام قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند،خطیب اسلام عطاءاللہ شاہ بخاری اور حضرت مولانا حامد میاں جیسے اکابرین نے بارے قدوم سیمنٹ لزوم سے اس ادارہ کو مشرف فرمایا۔جن کی دعائے نیم شبی اور روحانی تعاون نے اسے بام عروج پر پہنچا دیا۔

اصولوں کی بالادستی:۔

جب مذکورہ وسیع وعریض عمارتیں بھی علم ودانش کے طلبگاروں کے لئے تنگ ہوگئیں تو مولانا محمد داؤد نے شہر سے سرائے کالا کی جانب ایک وسیع قطعہ اراضی حاصل کر کے عالیشان عمارت تعمیر کروائی۔جس کا سنگ بنیاد حافظ الحدیث حضر مولانا محمد عبداللہ درخواستی امیر جمعیت علمائے اسلام نے رکھا۔ یوں تعلیم القرآن ہائی سکول اپنی فقید المثال آن بان کے ساتھ اپنی شاندار نئی عمارت میں منتقل ہوگیا۔مولانا کے بلند عزائم سے کالج کا درجہ دینے کی فکر میں تھے،لیکن مثل مشہور ہے "ہر کمالے راز والے" بدقسمتی سے اساتذہ اور انتظامیہ کے درمیان کچھ ایسے اختلاف رونما ہوگئے،جو اسکول کے قیام کے بنیادی مقاصد کے بالکل منافی اور دینی تعلیم کی غرض وغایت کے سراسر خلاف تھے۔جن کے باعث مولانا محمد داؤد اسکول سے علیحدگی پر مجبور ہوگئے۔ چنانچہ مولانا نے دل پر جبر واکراہ اور غم اندوہ کا سنگ گراں رکھ کی استعفٰی پیش کر دیا۔اور ساتھ ہی تعلیم وتربیت کی جلیل القدر ذمہ داریوں سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہوگئے۔ پھر اس کے بعد تمام تر علمی وتحقیقی صلاحیتیں علم ہی پر مرکوز ہوکر رہ گئیں۔

رجال کار کی تیاری:۔

مولانا موصوف نے اسکول کے طلباء میں اور جمعہ کے خطبات کے ذریعہ تبلیغ دین کا مقدس فریضہ انتہائی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔توحید خالص کی تبلیغ وتشہیر،عقائد واعمال کی اصلاح،عقیدہ ختم نبوت کی توضیح وتشریح،جاہلانہ رسومات ورواجات اور اخلاق وعادات کی اصلاح کے لئے انتھک اور موثر خدمات انجام دیں۔ آپ نے صالح نوجوانوں کی ایک قابل رشک مجاہد فورس تیار کی،جو مذہبی جوش وخروش کے ساتھ ملی،ملکی،معاشرتی،سیاسی اور دینی قابل قدر خدمات انجام دینے میں مصروف ہے۔

باطل سرگرمیوں کی عملی سرکوبی:۔

مولانا کے قابل تقلید اور ناقابل فراموش کارناموں میں سے "انصار المسلمین" جیسی عسکری تنظیم قائم کرنا اور اسے حربی ودفاعی تربیت دینا بھی ہے۔جس زمانہ میں علامہ مشرقی کی "خاکسار تحریک" اپنے عروج پر تھی۔جو نظم وضبط کے اعتبار سے برصغیر میں منفرد حیثیت کی حامل تھی،لیکن اس تحریک کے بانی سمیت ہر فرد کے قلوب اسلامی شعائر کی عزت وعظمت سے یکسر خالی تھے۔نماز جیسے اہم دینی فریضہ کا قطعاً پاس لحاظ نہ تھا۔البتہ ان کے عسکری مظاہرے اور جوش وجذبہ لوگوں کی کشش کا موجب ہوتے تھے۔اس تحریک کے مقابلہ میں "انصار المسلمین" قائم کی گئی تھی۔جو میری شنید کے مطابق مولانا داؤد کا نتیجہ خیال تھا،یا پھر اپنے علاقہ میں اس کی بانی موصوف تھے۔ موصوف نے سینکڑوں کی تعداد میں ایسے جذبہ جہاد سے سرشار افراد کو منتظم کیا۔جو اسلامی شعائر کی نہ صرف عزت وتوقیر کرنے والے تھے بلکہ پاکیزہ اعمال وافعال کے ذریعہ اسلامی قدروں کو اجاگر کرنے والے بھی تھے۔مصنوعی جنگ،آتش زدگی پر قابو پانا او فوجی مشقیں ان کے پروگرام میں شامل ہوتی تھیں۔اور جس مقام پر خاکسار اجتماع ہوتا اسی جگہ پر یہ لوگ بھی کیمپ لگاتے تھے۔

ایبٹ آباد میں انصار المسلمین کا کیمپ اور دلچسپ واقعہ:۔

چنانچہ خاکسار تحریک نے ایبٹ آباد میں اپنا اجتماع رکھا اور ڈی سی جو انگریز تھا،سے منظوری حاصل کر لی،اس کا علم جب مولانا داؤد کو ہوا،تو انہوں نے بھی ایبٹ آباد میں کیمپ لگانے کا اعلان کر دیا۔اور تین سو جاں نثار کارکنوں کو لے کر ایبٹ آباد پہنچ گئے۔لیکن ڈی سی نے تصادم کے خطرہ کے پیش نظر انہیں کیمپ لگانے اور مظاہرہ کرنے کی اجازت نہ دی۔مولانا داؤد نے اپنے کارکنوں سے مشورہ کیا کہ کیا طرز عمل اختیا کیا جائے۔سب ہی اس پر متفق تھے کہ اجازت ملے یا نہ ملے ہم مظاہرہ ضرور کریں گے۔انتظامیہ کی دھمکیوں اور گرفتاریوں کے ڈر سے ہم اپنے پروگرام کو کسی قیمت پر بھی ملتوی نہیں کرینگے۔جب انتظامیہ تک یہ بات پہنچی تو انہیں فکر ہوئی کہ اس طرح حالات بے قابو ہو جائیں گے۔چنانچہ انہوں نے دھمتوڑ کے ایک خان صاحب کی خدمات حاصل کیں جو انتظامیہ اور انصار المسلمین کے درمیان مصالحت یا حکمت عملی طے کرانے کا واسطہ بنا۔ڈی سی کو خان صاحب نے مشورہ دیا کہ ان پر کچھ پابندیاں لگا کر اجازت دے دیں۔چنانچہ ڈی سی نے شہر کے اندر باغ میں کیمپ لگانے کی اجازت دے دی اور باغ کی حدود سے تجاوز کرنے پر پابندی عائد کر دی۔یہ پابندی انصار المسلمین کے حق میں تھی۔شہر سے باہر کیمپ ہوتا تو دیکھنے خاص خاص لوگ جاتے مگر شہر کے اندر بلا ارادہ بھی دیکھنے کی نوبت آجاتی ہے۔مولانا غلام غوث ہزاروی شیر سرحد نے بھی مجلس احرار کے سرفروش کارکنوں کے ساتھ اس اجتماع میں شرکت کا اعلان کیا تھا۔حضرت موصوف کے ساتھ مولانا داؤد کی یہ پہلی ملاقات اور تعارف تھا۔جو بعد ازاں تادم مرگ قائم رہے۔مولانا ہزاروی کی انقلاب آفریں تقریر نے تہلکہ مچا دیا۔انگریز ڈی سی کی خوب گوشمالی کی۔فرمایا کہ ہمیں کہتا ہے کہ کیمپ لگانے کی اجازت لینی ہوگی،باہر سے تم آئے ہو،اجازت ہم سے تمہیں لینی پڑے گی،ہم تو یہاں کے باشندے ہیں،ہم اجازت انگریز سے کیوں لیں۔بہر حال دوسرے یا تیسرے دن ایک انگریز کرنل اور ڈی سی نے پہلے خاکسار تحریک کے کیمپ کا معائنہ کیا اور پھر دوپہر کے وقت انصار المسلمین کا کیمپ دیکھنے گئے۔انصار المسلمین کے لٹھ بردار چوکیدار مفوضہ خدمت انجام دے رہے تھے۔جبکہ مولانا داؤد استراحت کر رہے تھے۔کرنل اور ڈی سی نے کیمپ کے کچھ حصہ کا معائنہ تو کر لیا۔لیکن جب وہ ایک مخصوص حصہ کی طرف بڑھنے لگے تو چوکیدار نے سختی کے ساتھ روک دیا۔جس پر کرنل ششدر رہ گیا،ڈی سی نے کہا تم دیکھتے نہیں کہ موصوف فوج کے کرنل ہیں اور وردی بھی پہنے ہوئے ہیں لیکن چوکیدار نے انہیں اندر جانے کی اجازت نہ دی۔اتنے میں مولانا داؤد بھی پہنچ گئے،انہوں نے یوں معاملہ سلجھایا کہ یہ ہمارا اسلامی فوجی ایریا ہے۔آپ خود جانتے ہیں کہ بغیر اجازت اور پاس حاصل کئے بغیر ایسے ایریا میں داخل کوئی بھی ہو سکتا۔تاہم انگریز کرنل نے انصار المسلمین کی بے حد تعریف کی اور ان کے نظم وضبط کو مثالی قرار دیا اور ایک تعریفی تحریری سند بھی دی۔کیمپ لگانے اور جنگی مشقیں کرنے کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔تا آنکہ خاکسار تحریک پر پابندی لگ گئی،تو یہ تنظیم بھی ماند پڑ گئی تھی۔

سلسلہ سلوک کی وابستگی:۔

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب ابتدا ہی سے اولیاء کرام اور صوفیاء کرام کے ساتھ قلبی تعلق اور گہری عقیدت رکھتے تھے اور اصلاح اعمال کے ساتھ اصلاح حال کی فکر بھی لاحق تھی،چنانچہ اسی جذبہ صادق کے ساتھ قطب الاقطاب شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور کسب فیض کیا۔مولانا

موصوف حضرت لاہوری کے مسترشد بھی تھے اور شرف تلمذ بھی حاصل تھا، حضرت سے تفسیر قرآن مجید پڑھی تھی۔

باطل عقائد ونظریات کی اصلاح:۔

مولانا موصوف تمام مذہبی فرقوں سے قلبی نفرت رکھتے تھے۔لیکن اپنی فطری سنجیدگی اور متانت کے باعث ان سے معاندانہ رویہ اختیار کرنے کی بجائے مصلحانہ انداز فکر اپنایا۔ وعظ ونصیحت اور نجی مجالس میں ان پر تعمیری تنقید اور اصلاح کا پہلو غالب رہتا جو بے موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ اگرچہ اس نوعیت کے بیشمار واقعات ہیں لیکن صرف ایک ہی واقعہ پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

غیر مقلد عالم سے بحث وتمحیص:۔

ایک مرتبہ ٹیکسلا میں ایک غیر مقلد مولانا صاحب نے فاتحہ خلف الامام پر بڑی دھواں دھار تقریریں کیں اور حنفی علماء کو مناظرہ کا چیلنج دیا، مگر علماء کرام نے اس کی باتوں کو درخوا اعتنا نہ سمجھا۔لیکن سنی مسلمان حیران تھے کہ علماء حنفی حق پر ہونے کے باوجود کیوں خاموش ہیں۔ جبکہ علماء کرام فروعی مسائل میں عوام کو الجھانے سے گریز کر رہے تھے۔لیکن غیر مقلد مولانا نے جب میدان خالی دیکھا، توان کا زور خطابت اور بھی شعلہ بار ہو گیا، بالآخر جب لوگوں نے مولانا داؤد کو جواب دینے پر مجبور کر دیا تو انہوں نے فرمایا میں مناظرہ کا چیلنج قبول کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔البتہ مولانا موصوف کو میرے مطب میں لے آؤ، ہم دونوں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں، غیر مقلد صاحب کو اس صورتحال کا علم ہوا تو غراتے ہوئے مطب میں آٹپکے اور کچھ اس انداز میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔

مولانا داؤد۔ حضرت کیا مسئلہ ہے۔

غیر مقلد مولانا۔ حدیث میں ہے جو آدمی امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

مولانا داؤد۔ حضرت کیا واقع میں کوئی ایسی حدیث ہے۔

غیر مقلد مولانا۔ جی ہاں۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ سب حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

مولانا داؤد۔ حضرت جی! ذرا ہمیں بھی حضور اقدس ﷺ کی مبارک حدیث سنا دیں، تاکہ ایمان تازہ ہو۔

غیر مقلد مولانا۔ بخاری کھول کر بڑے جوش وخروش سے پڑھتے ہیں۔ **لا صلوٰة لمن لم یقرا بفاتحة الکتاب۔**

مولانا داؤد۔ حضرت جی برکت کے لئے پوری روایت ہی پڑھ دیں۔

غیر مقلد مولانا۔ **حدثنا علی بن عبدالله قال حدثنا سفین حدثنا الزهری عن محمود بن البیر عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ۔**

مولانا داؤد۔ بے حد معصومانہ انداز میں۔ حضرت جی **حد ثنا**، جو اس روایت میں بار بار آیا ہے یہ کیا ہے۔

غیر مقلد مولانا۔ آپ کو اس سے کیا غرض ہے، بات تو فاتحہ خلف الامام کی ہو رہی ہے۔

مولانا داؤد۔ حضرت جی اگر یہ لفظ بے مقصد ہوتا، تو حدیث کی پاک کتاب میں نہ لکھا جاتا۔

غیر مقلد مولانا۔ مولانا آپ بھاگنے کی کوشش نہ کریں، میں آپ کو بھاگنے نہیں دوں گا، آپ یا تو اس حدیث کا انکار کریں یا اس کا جواب دیں۔

مولانا داود۔ حضرت جی۔ میں نے مناظرہ کا چیلنج قبول نہیں کیا اور نہ میں مناظرہ کر سکتا ہوں۔ میں تو ایک طالب علم ہوں میں آپ سے یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ **حدثنا** کیا ہے۔اس کا کیا مطلب ہے۔

غیر مقلد مولانا مولانا ایسی بے تکی باتوں کی ضرورت نہیں آپ مسئلہ کی بات کریں۔

مولانا داؤد حضرت جی۔ مجھے سمجھائیں کہ **حد ثنا** کیا ہے، یا فرما دیں کہ مجھے معلوم نہیں تاکہ ضد نہ کروں۔

آخر غیر مقلد کا نشہ ہرن ہو گیا اور مجبور ہو کر کہنا پڑا، مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا مقصد ہے، اب مولانا داؤد نے پینترا بدلا اور قدرے گرجدار آواز سے فرمایا۔ کہ جس آدمی کو **حد ثنا** جیسا ایک عام نوعیت کا لفظ معلوم نہ ہو، وہ حدیث کو کیا سمجھے گا۔ اگر آپ نے کسی استاد سے حدیث پڑھی ہوتی۔ تو **حد ثنا** جیسے معمولی سے لفظ کی حقیقت معلوم ہوتی۔ اگر آپ فرماتے ہیں تو میں آپ کی پیش کردہ حدیث کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔لیکن غیر مقلد مولانا کو جان کے لالے پڑھ گئے اور بھاگنے کی سوچی، مولانا فرماتے تھے کہ وہ صاحب جب تک ٹیکسلا میں رہے پھر کوئی مسئلہ اختلافی مسئلہ بیان نہیں کیا۔

جمعیت سے سیاسی وابستگی:۔

حضرت مولانا کی سیاسی وابستگی جمعیت علمائے اسلام کے ساتھ تھی، عرصہ دراز تک ضلعی امیر کے منصب پر فائز رہے آپ کی سیاسی بصیرت اور حسن کارکردگی کے باعث ٹیکسلا کی جمعیت پورے ڈویژن میں سب سے زیادہ فعال، منظّم اور مستعد تھی۔ آپ نے بہت ورکر اور مخلص سیاسی کارکن تیار کئے۔ جنہوں نے بھرپور جدو جہد سے علاقہ میں جمعیت کو متعارف کرایا۔ جگہ جگہ جمعیت کی شاخیں قائم کیں۔

قومی انتخابات میں عملی حصہ:۔

1970ء کے قومی اسمبلی کے انتخابات میں مولانا داؤد کو جمعیت کی طرف سے تحصیل راولپنڈی کے لئے امیدوار نامزد کیا گیا۔ آپ نے بے سروسامانی کے باوجود حلقہ انتخاب کا طوفانی دورہ کیا۔ اور جمعیت کے اسلامی منشور سے لوگوں کو روشناس کیا۔ اگرچہ پنجاب میں علماء کو کامیابی حاصل نہ ہوسکی تھی۔ تاہم مولانا کو اپنے حلقہ میں پی پی کے بعد سب سے زیادہ ووٹ ملے تھے۔

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی سے قلبی تعلق:۔

مولانا موصوف حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کے ساتھ بڑا قریبی تعلق تھا، جمعیت علماء اسلام کل پاکستان کے ناظم عمومی کی حیثیت سے بھی اور ایک نڈر، بیباک، مجاہد عالم دین کی حیثیت سے بھی اور بالخصوص کشتہ سازی اور کیمیا گری کے ناطے سے بھی۔ جب بھی دونوں حضرات کی ملاقات ہوتی تو مذہبی، سیاسی اور دیگر مختلف موضوعات کے علاوہ کشتہ سازی اور کیمیا گری خصوصیت کے ساتھ موضوع سخن ہوتی اور گھنٹوں تبادلہ خیالات جاری رہتا۔ اگرچہ کشتہ سازی میں دونوں کو مہارت نامہ حاصل تھی۔ لیکن کیمیا سازی محض ملمع سازی ثابت ہوئی۔ حضرت ہزاروی فرمایا کرتے تھے اس فن سے تعلق رکھنے والے اکثر دروغ گو ہوتے ہیں ایک آدمی نے مکہ مکرمہ میں مجھے بڑے وثوق سے ایک ترکیب بتائی مگر آزمائش میں وہ بھی جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوئی، اسی طرح مولانا داؤد فرماتے تھے، میں نے کئی من پارہ پھونک دیا، مگر ہر بار " تھوڑی سے کسی رہ ہی جاتی رہی" البتہ موصوف نے اس صنعت سے متعدد اقسام کے مفید ترین اور زود اثر کشتہ جات کا کامیاب تجربہ حاصل کرلیا تھا۔

قابل تقلید اوصاف حمیدہ:۔

مولانا محمد داؤد درویش منش، شیریں گفتار، ہنس مکھ، ظریف الطبع، صائب الرائے اور قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ گفتگو میں سنجیدگی اور متانت غالب تھی۔ ساری زندگی دین کی بے لوث خدمت میں بسر کردی۔ برسوں جامع مسجد میں خطبہ جمعہ کی خدمت انجام دیتے رہے اور پچاس سال اپنی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ اسکول میں صدر مدرس کی حیثیت سے مصروف تدریس رہے گھر کبھی ایک پائی تک معاوضہ وصول نہیں کیا، طمع اور حرص کا شائبہ تک دل میں نہیں تھا۔ طب کو ذریعہ معاش بنایا، لیکن اس ذریعہ سے بھی خدمت خلق کی عظیم سعادت حاصل کی۔ سفید پوشی میں وقت گزار دیا۔ اور اپنے لئے مکان تک نہ بنایا۔ معاشی ناداری پر دبیز پردہ پڑا رہا اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دیتے۔ حضرت موصوف کے دینی اور ملی سنہری خدمات کی داستان بڑی طویل ہے۔ ان کے مجاہدانہ کارنامے ضبط کرنے کیلئے مدت مدید کی ضرورت ہے۔ بس اللہ کریم سے دعا ہے کہ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام رحمت فرمائے۔

صلبی باقیات الصالحات:۔

مولانا نے باقیات الصالحات میں تین فرزندار جمند چھوڑے ہیں۔ مولانا مسعود الرحمٰن جید عالم اور حازق حکیم بے حد سنجیدہ مزاج اور خوش خلق ہیں۔ حکیم محمد طیب قدیم وجدید طب میں اچھی مہارت کے مالک اور بہت سی خوبیوں سے متصف ہیں۔ سب سے چھوٹے حافظ احسان عظیم جو بڑے دونوں بھائیوں کے خصوصی معاون ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مرحوم کا صحیح خلف الرشید بنانے اور اپنی مرضیات سے نوازے (آمین)

محمد عبد المعبود

3 صفر 1410 ہجری/5 ستمبر 1989 عیسوی